۶٫۲۳۶
۱۲۷۱

عظیم شخصیتیں

محدّث نوریؒ

روایتِ نور

تالیف

محمد صحتی سردرودی

ترجمہ: نثار احمد زینپوری

بسم الله الرحمن الرحیم

کتاب کا نام : محدّث نوری ـ روایت نور

تألیف : محمد صحتی سردرودی

ترجمہ : نثار احمد زینپوری

خطاطی : قلبی حسین رضوی کشمیری

ناشر : انصاریان پبلیکیشنز

سال طبع : رجب المرجب سنہ ۱۴۱۶ھ ق

چھاپخانہ : چھاپخانہ بہمن

تعداد : ۲۰۰۰

فہرست

پیش گفتار ۹
حرف آغاز ۱۳
فصل اوّل — خاندان اور مسافرتیں ۱۷
خاندان نوریؒ ۱۷
نوریؒ کے والد ۱۸
خامس آل نوریؒ ۲۱
کبوتر با کبوتر باز با باز ۲۳
میلاد نور ۲۵
درّ یتیم ۲۷
خضر راہ ۲۸
سفر ۳۰
فصل دوم — آثار و اساتذہ ۳۵
بزرگوں کے ہمراہ ۳۵
مجدد کی خدمت میں ۳۸
یادگار آثار ۴۰

درخشاں ستارہ ۴۵
ایک قصہ ۴۸
قرآن صامت ۴۹
حدیث حماسہ ۵۲
مرجع مجتہدین ۵۵
تقریظ ٦۰
آفتاب ٦۰
لؤلؤ مرجان سے ایک داستان ٦۵
رائی کا پہاڑ ٦٦
آیت عذاب ۷۱
بہت بڑا بہتان ۷۵
ذکر یار ۷۹
فصل سوم — نوری کے شاگرد و راوی ۸۱
نوریوں کا سلسلہ ۸۱
مکتب تربیت میں ۸۵
حدیث اخلاص ۸٦
شیریں و قابل سماعت داستان ۹۰
موجودہ صدی کے کتاب شناس ۹۲
آزاد مرد ۹۷

عنوان سیاست ــــــــــــــــــــ ۹۹
راویان نور ــــــــــــــــــــ ۱۰۰
فصل چہارم ــ اصلاحی اقدامات کے چند نمونے ــ ۱۰۷
لوگوں کے درمیان ــــــــــــــــــــ ۱۰۷
نوریؒ کے آنسو ــــــــــــــــــــ ۱۰۹
جرأت فتویٰ میں نوری کا کردار ــــــــــــــــــــ ۱۱۱
سفیر آفتاب ــــــــــــــــــــ ۱۱۴
ابتکار فکر ــــــــــــــــــــ ۱۱۵
فصل پنجم ــ علامہ نوری کی حیات کے چند گوشے ــ ۱۲۳
نظم و پروگرام ــــــــــــــــــــ ۱۲۳
آئینۂ جمعہ ــــــــــــــــــــ ۱۲۶
سجّادہ پر ــــــــــــــــــــ ۱۲۷
عشق اہل بیت ــــــــــــــــــــ ۱۲۸
محدث حماسہ ہا ــــــــــــــــــــ ۱۲۹
خزانہ کی جمع آوری ــــــــــــــــــــ ۱۳۲
سخن دل نواز ــــــــــــــــــــ ۱۳۵
محراب تحقیق میں ــــــــــــــــــــ ۱۳۸
فصل ششم ــ بزرگوں کی زبانی ــــــــــــــــــــ ۱۴۳
چند برگ سبز ــــــــــــــــــــ ۱۴۳

آیت اللہ آل کاشف الغطاء ۔۔۔۔۔ ۱۴۴
آیت اللہ شیخ الشریعت اصفہانی ۔۔۔۔۔ ۱۴۶
محدث متقی شیخ عباس قمی ۔۔۔۔۔ ۱۴۶
آیت اللہ العظمیٰ میرزا بزرگ شیرازی ۔۔۔۔۔ ۱۴۷
شیخ آقا بزرگ تہرانی ۔۔۔۔۔ ۱۴۷
آیت اللہ سید محسن امین عاملی ۔۔۔۔۔ ۱۵۰
رہبر انقلاب امام خمینیؒ ۔۔۔۔۔ ۱۵۰
مفکر شہید مرتضیٰ مطہری ۔۔۔۔۔ ۱۵۱
آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین مرعشی نجفی ۔۔۔۔۔ ۱۵۳
شیخ جعفر خلیلی ۔۔۔۔۔ ۱۵۴
استاد محمد رضا حکیمی ۔۔۔۔۔ ۱۵۴
معاصرین کی زبانی ۔۔۔۔۔ ۱۵۴
بیان ادب ۔۔۔۔۔ ۱۵۶
مہر و ماہ اور زہرہ کے قریب ۔۔۔۔۔ ۱۵۷
ریحانۃ الادب میں ۔۔۔۔۔ ۱۵۹
ملاقات دوست ۔۔۔۔۔ ۱۶۰
عذر تقصیر ۔۔۔۔۔ ۱۶۲

پیش گفتار

ثقافت و تہذیب کی غارت گری و تباہی کے دو اسباب ہیں۔ ۱۔ اپنی ثقافت کی تحقیر ۲۔ غیروں کی ثقافت کی قصیدہ خوانی۔ جب تک کوئی قوم اپنے اندر اپنی پستی و حقارت کا احساس نہیں کرتی ہے اس وقت تک غیروں کی ثقافت کی شیفتہ نہیں ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنے مادی و معنوی سرمایہ سے بے خبر اپنے گوہر کی قدر و قیمت سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اپنے گراں بہا موتیوں کو معمولی قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں اور غیروں کے ردی مال کو گراں قیمت اور منت کے ساتھ خریدتے ہیں۔ ایران میں پہلوی حکومت اور اس کے ہم مشرب کی اصطلاح میں تمدن کی بنیاد مذکورہ پایوں ہی پر استوار ہے یہی علم و ہنر اور صنعت میں مغرب کو خدا کی حیثیت سے پوجتے ہیں، مشرق کو وحشی و پسماندہ اور حقیر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو ابھی ترقی کے ابتدائی مراحل طے کر رہا ہے۔ ان ہی طریقوں سے وہ اپنے سیاسی و اقتصادی مقاصد

پورے کرتے ہیں۔

جس وقت یہ شیطانی سیاست اپنے نقطۂ عروج پر تھی اس وقت ناگہاں ملت اسلامیہ کے کالبد میں روح خدا جلوہ گر ہوئی اور ایران کے اسلامی انقلاب کا ساز چھڑ گیا۔ بہت سے فرزندان اسلام نے اپنی حقیقت وحیثیت کو سمجھ لیا اور حقوق بشر کے ماسک، ڈیموکریسی کی نقاب اور آزادی کے رنگ میں چھپے ہوئے مغرب کے وحشتناک چہرہ کو پہچان لیا اور خودشناسی یعنی فطرت، قرآن و مکتب اور اسلامی اقدار کی طرف بازگشت کا آغاز کیا۔

اس وقت ہمیں افسوس کے ساتھ یہی اس بات کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ ہمارے معاشرہ کے بہت سے لوگوں کے افکار، نظریات اور اعمال ابھی تک مغرب سے متاثر ہیں۔ وہ اب بھی انگریزی الفاظ کے استعمال کو دانشوروں کی علامت، سرمایۂ افتخار، روشن فکری اور یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ افراد کی برتری خیال کرتے ہیں۔ عالمی روابط، سمینار، کمپنیوں، اجتماعی تعلقات میں مخصوص جملہ اور علمی و اقتصادی غرور موجود ہے۔

اب بھی یہ حالت ہے کہ مغرب زدہ لوگوں کو ان دواؤں سے بھی شفا نہیں ہوتی جن کے نام انگریزی و فرنچ میں مرقوم نہیں ہوتے ہیں۔ اب بھی وقت گزاری کے وسائل، تفریح، کھیل اور ورزش کے ان اسباب پر فخر کیا جاتا ہے جن کے نام انگریزی اور فرنچ میں مرقوم ہوتے ہیں۔

اس سے بڑا المیہ اور کیا ہوگا کہ دنیائے کفر و الحاد، غارتگر و استثمار کے نمونوں کو سرمایہ افتخار سمجھا جاتا ہے۔

بین الاقوامی نظام میں کہ جس میں حرص وطمع، تکبر و غرور، سنگدلی اور انسانی اقدار سے بے اعتنائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، کے معیاروں کو کسوٹی قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا اس کی تائید اور تعلقات کو سرمایہ افتخار سمجھا جاسکتا ہے؟ کیا پندرہویں صدی کے جلادوں کے شاباش، بہت خوب کہنے اور تالی بجانے ہی کی قدر وقیمت ہے؟ اور اس کی تردید وتکذیب کی کوئی قدر وقیمت ہی نہیں ہے؟

جس دنیا میں سلمان رشدی ایسے بے ادب اور قلم فروش کو ادبی انعام دیا جاتا ہے اور ایک ملک کے محنتی وممتاز طلبہ کو فزیکس کے عالمی مقابلے میں مسلمان وایرانی ہونے کے جرم میں شرکت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ کیا اس کے معیار عقل و عدل کے مطابق ہیں؟ ہم نے ان ہی کے معیاروں اور اصولوں کو اختیار کر رکھا ہے، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

اقوام متحدہ کے نظام کی تشکیل کے بارے میں اسلامی ممالک کو غور کرنا چاہئے اور مغربی ڈیموکریسی، آزادی، حقوق بشر اور اس سے وابستہ اداروں سے اس نظام کو فوراً جدا کریں اور بوسنیا وہرزگووینیا، فلسطین اور الجزائر سے عبرت حاصل کریں اور غیروں پر اعتماد کو کفر تصور کریں۔

یہ کتاب اپنے کو سمجھنے، خود یابی وخدا کے سلسلہ میں ایک کوشش ہے جو حوزۂ علمیہ قم کے علماء وطلبہ کی زحمت اور سازمان تبلیغات اسلامی کی حمایت د ہدایت میں تالیف ہوئی ہے۔ درحقیقت یہ ستاروں کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ایسے ستارے کہ جنہوں نے دنیا کے مذاہب ومکاتب کے عظیم ونمایاں

ترین چہروں کو تحت الشعاع قرار دیا تھا۔

ایسے تمام ستاروں کی شناخت تو بہت مشکل و دشوار کام ہے۔ ابھی تک ہم ان میں سے نشتر کا انتخاب کر سکے ہیں۔

ہم ایسے نیکو کاروں کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں جو خود کو بھول چکے تھے اور خدا کی یاد میں کھو گئے تھے۔ خود سازی اور ظلم و کفر سے جہاد میں نمونہ ہونے سے قبل وہ اسلام و مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہیں۔

ایسی قابل فخر شخصیتیں کہ جن کے ابھرنے سے مغرب لرزہ براندام رہتا ہے اور ان کو فراموش کرانے اور ان پر تہمت کی گرد ڈالنے میں لگا ہوا ہے۔ ایسی شخصیتوں کا تعارف اور ان سے آشنائی ایک زیارت ہے۔ جیسے قربت کی نیت اور قرآن و سنت کے پاسداروں سے آشنائی کے آہنگ کے ساتھ انجام پانا چاہئے کہ انہوں نے خدا اور اس کے پیغمبروں سے دفاع کے لئے علم بلند کیا۔ اور ظالموں کے ساتھ زندگی پر قیدخانہ اور تختۂ دار کو ترجیح دی۔

مرکز تحقیق باقر العلوم کے ذمہ داروں اور اس سلسلہ کے محققین کو ہرگز اس بات کا دعویٰ نہیں ہے کہ وہ وحی اور اس کے پاسداروں کی بھرپور عکاسی کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ وہ حوزۂ علمیہ قم کے صاحبان قلم سے تعاون کی امید ہے۔ اساتذہ و طلبہ کے مشوروں پر شکر گزار ہوں گے۔ خداوند عالم سے معرفت و خدمت کی توفیق کے خواستگار ہیں اور اس کے بندوں کی ارواح سے مدد چاہتے ہیں

انّہ ولی قدیر۔

حرفِ آغاز

سرخیل محدثین علامہ میرزا حسین نوری طبرسی کی سوانح حیات کے سلسلہ میں یہ کتاب جو کہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے، پہلی بار لکھی گئی ہے۔ علامہ اپنے زمانہ کے بہترین حدیث شناس، فعال محقق تھے اور سند شناسی میں استاد الاساتذہ تھے۔

وہ دروغ گوئی مبالغہ آرائی خصوصاً تحریف عاشورا کے سلسلہ میں بہت سخت تھے۔ آپ کی تالیف "لؤلؤ و مرجان اس پر برہان قاطع ہے۔ وہ محراب تحقیق میں شب بیداری کے ذریعہ فکر کو قنوت کے بندھان سے باندھتے اور دلوں کو اپنے ابتکار سے زندہ کرتے تھے۔ یہ وہ محافظ و مبارز تھے جنہوں نے تشیع کے خونین آسمان کے ستاروں کو پہچان لیا تھا اور انھیں سیکڑوں سال کی تاریکی و بادل سے نکال لیا تھا۔

کونسی راتیں کہ جن میں کتاب دل کی ورق گردانی کرتے تھے اور جو چیز

قلم و قرطاس سے چھوٹ گئی تھی، اسے اس امید کے ساتھ کہ محبوب کی کوئی حدیث یا روایت حاصل ہو جائے اور حدیث کے نیلگون آسمان پر کسی ستارہ کا اضافہ کر سکے۔

کچھ دنوں تک ایسا ہی کرتے رہے اور عمر گزرتی رہی۔ آخر کار نوریؒ کی محنت بارآور ہوئی اور مستدرک الوسائل نامی کتاب وجود میں آگئی جو کہ قیامت تک فقہا کے لئے مدرک اور منزل دوست کی طرف احرام سفر باندھ کر راہ کمال پر گامزن ہونے والوں کے لئے راہنما رہے گی۔

انہوں نے اپنے زمانہ میں اتنا عظیم کتب خانہ بنایا تھا کہ عراق و ایران میں جسکی نظیر نہیں تھی۔ اس مختصر مقدمہ میں محدث نوری کی نور سے معمور سوانح حیات کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کتاب میں اس فعال عالم کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا لیکن:

آب دریا اگر نتوان کشید ؛ پس بہ قدر تشنگی باید چشید

یہاں چند نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے:

۱۔ علامۂ نوری آج سے سو سال پہلے زندگی بسر کرتے تھے، لہٰذا ان کے تمام کارناموں کو ایک صدی قبل کے حالات کے مطابق دیکھیں۔

۲۔ ہر بات کے لئے حاشیہ پر ہم نے معتبر مدرک یا مدارک لکھ دیئے ہیں۔ تاکہ ہماری کوئی بات مدرک سے خالی نہ رہے۔

۳۔ لفظی ترجمہ سے پرہیز کیا گیا ہے اور دوسروں کا کوئی متن ہوبہو نقل نہیں کیا گیا ہے صرف مفہوم کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ ہاں اگر اس میں کوئی لطف معلوم ہوا تو اسے نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔

۴۔ چونکہ تکرار تھکا دینے والی چیز ہے، دوسرے یہ سلسلہ جو لوگ

کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ اس لئے ممکنہ حد تک سلیس و سادہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ دیکھنا ہے کہ کس حد تک قبول و پسند کیا جاتا ہے۔

خدا سے دعا ہے جوان ہمیشہ سربلند و نیکیوں سے متصف رہیں۔

ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر

محمد مجتبیٰ سرورودی

فصلِ اوّل

خاندان اور مسافرتیں

خاندان نوری

علم کے علاوہ دین کوئی چیز نہیں ہے، درحقیقت علم و ایمان ایک ہی چیز ہے جدا جدا نہیں ہیں۔ یہاں دوئی بے معنی ہے۔ یہ عین ایک ہیں۔

انسان کی مثال ایک پرندہ کی سی ہے جو ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر پہنچنا چاہتا ہے۔ اور علم و دین اس ہمیشہ پرواز کرنے والے پرندہ کے بے مثال بال و پر ہیں۔

اگر کوئی ان دو پروں سے محروم ہے تو وہ گردوں کی گردن پر وبال ہے نتیجہ میں اس کا عدم وجود سے بہتر ہے۔ نوری خاندان کا ہر فرد اپنی جگہ فرشتہ خصلت تھا جو ان دو نورانی پروں کے ذریعہ پرواز کرتا تھا۔

سب اہل نور و ایمان تھے، سب ہی دین و شعور کے حامل عقلمند، عابد،

بیدار اور دین دار تھے۔ وہ گردوں کے لئے وبال نہیں تھے۔ نہ زمین کی بیٹھ کا بار تھے بلکہ ہر ایک اپنے ہوش و جوش کے تحت اپنے زمانہ میں دریائے علم کا درخشاں گوہر تھا۔

اس خاندان کیلئے یہی فخر بہت ہے کہ آیت اللہ نوریؒ اسی سے اٹھے اور ایسا نشانِ افتخار بن گئے جو رہتی دنیا تک چمکتا رہے گا۔

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است در جریدۂ عالم دوام ما

(حافظ)

اس کو کبھی موت نہیں آتی جس کا دل عشق سے زندہ ہوجاتا ہے
جریدۂ عالم پر ہمارا دوام ثبت ہے۔

نوریؒ کے والد

مشکل توان بہ خلوت روحانیان رسید
خود را مگر ز دائرہ بیرون کند کسی

روحانی لوگوں کی خلوت گاہ تک رسائی بہت مشکل ہے
کیا کوئی خود کو دائرہ سے باہر نکالتا ہے؟

علامہ میرزا محمد تقی نوریؒ طبرسی ــ ۱۲۰۱ ــ ۱۲۶۳ ھ ق۔ مازندران کے بہت بڑے عالم، پیشوا اور مرجع تقلید تھے۔

ان کے والد ــ محدث نوری کے دادا ــ علی محمد مازندرانی

حکومت کے آدمی تھے وہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے لیکن بیٹا اس کام کے لئے ہرگز تیار نہ تھا۔ وہ بچپنے ہی سے آزاد منش اور پاکیزہ روح کا حامل تھے۔ مال ومنال کی فریب دینے والی صورت انھیں فریب نہ دے سکی، وہ سیرت کی فکر میں تھے صورت کی نہیں۔ اس دنیا کے تمام جاہ وجلال کو وہ ظاہری چیز کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے تھے گویا بچپنے ہی سے ان کے قلب میں یہ بات بیٹھ گئی تھی:

خاتم ملک سلیمان است علم
جملہ عالم صورت وجان است علم

دنیا کے درہم و دینار انھیں کبھی اپنی طرف نہ کھینچ سکے کہ وہ پیغمبران خدا کے وارثوں — علمائے دین — کے زمرہ میں محسوب ہونا چاہتے تھے چونکہ اس مقدس کام کے لئے وہ اپنے والد اور خاندان والوں کو راضی نہیں کر پاتے تھے اس لئے گھر سے فرار ہو گئے، اور نور علم کی راہ کے سراغ میں نکل کر بڑے نہایت شوق وولولہ کے ساتھ حوزۂ علمیہ اصفہان ہجرت کر گئے۔

اصفہان میں چند ہی سال کے اندر مقدمات کی تکمیل کر لی اور اس کے بعد مولیٰ علی نوری اور سید محمد مجاہد و دیگر عظیم پایہ کے اساتذہ سے کسب علم کیا۔

تیس سال کے بعد نجف اشرف سے اپنے وطن واپس تشریف لائے اور وہاں ایک حوزہ علمیہ کی بنیاد رکھی کہ جس میں تین سو سے زائد طلبہ معارف اسلام کی تحصیل میں مشغول تھے۔ نوریؒ کے والد انھیں اپنے اور اپنے اہل وعیال پر فوقیت دیتے تھے۔

تعلیم و تبلیغ اور تربیت کے علاوہ تحقیقی کاموں میں بھی مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ قلمی آثار میں بہت سی کتابیں آپ کی یادگار ہیں، جیسے:

۱۔ دلائل العباد فی شرح ارشاد جو کہ علامہ حلی کی ارشاد الاذہان کی شرح ہے اور ۱۳ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۲۔ ماتم کدہ، یہ ائمہ معصومینؑ کی شہادت کے موضوع پر نظم و نثر پر مشتمل ہے۔

۳۔ المدارج، اصول فقہ میں ہے، ۲ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۴۔ تشویق العارفین، فارسی نظم میں ہے، اس کا موضوع وعظ و نصیحت ہے۔

۵۔ ہدایت الانام در مسائل حلال و حرام، دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

۶۔ کشف الاوہام۔

۷۔ کشف الحقائق۔

۸۔ جواب پرسشہائے دینی۔ دینی سوالات کے جوابات۔

۹۔ منطق و مراثی ائمہ اطہار۔

۱۰۔ ایک رسالہ امامت کے موضوع پر اور متعدد رسائل فور و تراخی، رضاع، ارث الزوجہ، مسائل میراث ہنسکار و ذبح اطعمہ و اشربہ روزہ اور اشتقاق کے سلسلہ میں ہیں۔

اس عظیم شخصیت کے فیض سے بہت سے لوگ مستفیض ہوتے اور آپکی شاگردی کے افتخار سے سرفراز ہوئے ان میں سے چند اشخاص کے نام کتابوں

میں ملتے ہیں۔

۱۔ مولیٰ علی تنکابنی المعروف بہ آقای مجتہد۔

۲۔ آپ کے داماد ملا عباس نوریؒ مرحوم، شہید فضل اللہؒ کے والد۔

۳۔ آپ کے دوسرے داماد ملا فتح اللہ نوریؒ شیخ موسیٰ نوریؒ کے والد۔[1]

اور بہت سے بزرگوار ہیں کہ اس مختصر کتاب میں ان سب کے تذکرہ کی گنجائش نہیں ہے۔ مرحوم میرزا۔ محمد تقی نوریؒ ایک زمانہ تک کمال و سعادت کے سلسلہ میں تلاش و جانفشانی کرنے کے بعد سعادت ابدی سے ملحق ہوگئے۔ اور اپنی جگہ فرزانہ بیٹے اور شائستہ شاگرد چھوڑے اور مولیٰ الموحدین علیؑ کے جوار میں نجف اشرف میں دفن ہوئے۔[2]

خامس آل نوریؒ

بھائی یا بھائیوں کے لطف و محبت کو وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن کو خدا نے باوفا بھائی عطا کئے ہوں اور وہ خدا کی اس عظیم نعمت سے بہرہ مند ہوں۔

آگاہ و ہم خیال بھائی جان کے برابر ہوتا ہے۔ نزدیک ترین اور بہترین دوست ہر شخص کا بھائی ہے۔ جب دو افراد ہم شکل ہوتے ہیں اور ان میں کچھ چیزیں مشترک ہوتی ہیں تو کہتے ہیں کہ دونوں بھائی بھائی ہیں۔

---

[1] آپ میرزائے شیرازی، آخوند محمد کاظم خراسانی کے شاگرد اور محدث نوری کے بھانجے تھے ۱۳۳۱ھ میں انتقال کیا۔

[2] رک۔ الکرام البررہ ج ۱ ص ۱۲۳ و ص ۱۲۴، نیز مکارم الآثار ج ۱ ص ۱۱۶

علامہ نوریؒ اس خداداد نعمت سے بخوبی بہرہ مند تھے۔ آپ کے چار بھائی تھے اور چاروں علم و دیانت میں آپ کی شبیہ تھے۔ ستاروں کے جھرمٹ کی طرح کی طرح چمکتے تھے۔

سب آپ سے بڑے تھے۔ حسین پانچویں بیٹے اور آل نور کے آخری چشم وچراغ تھے، خامس آل نور، خامس آل عبا (روحی لہ الفدا) کے پیرو تھے۔ آیت اللہ نوریؒ کے بھائیوں کے اسماء کی ترتیب یہ ہے:

۱۔ فقیہ کبیر حاج میرزا ہادی: آپ زمانہ دراز تک حوزۂ علمیہ نجف اشرف میں علم حاصل کرنے کے بعد وطن تشریف لے گئے اور اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۳ سال تک وطن کی مرجعیت سنبھالی اور ۱۲۹۰ھ میں جوار رحمت خدا میں پہنچ گئے۔

۲۔ عالم فقیہ، فلاسفر حکیم میرزا علی: اپنے بڑے بھائی کے بعد اپنے شہر کے مرجع و رئیس قرار پائے۔

۳۔ میرزا حسن نوریؒ: بڑے علماء اور اصول و فقہ کے مدرسین میں سے تھے۔

۴۔ میرزا قاسم نوری: اصول و فقہ کے مدرس تھے۔

یہ سب بھائی جوانی کے عالم میں علامہ نوریؒ سے قبل ہی دنیا سے سدھارے اور عالم خاک سے عالم پاک کی طرف پرواز کر گئے اور ایک ایک کر کے علامہ کو

لہ شیخ مہدی نوری آپ ہی کے بیٹے ہیں جو کہ میرزا کے بزرگ اور محدث نوریؒ کے شاگرد تھے۔

داغ جدائی دے گئے۔ بچپنے میں علامہ نے والد کا داغ اٹھایا اور چار عزیز بھائیوں کا غم اٹھایا لیکن ہمّت نہ ہاری اور صبر و جرأت کے ساتھ نالۂ دل کے ہمنوا ہو گئے: جو بھی دوست کرتا ہے وہی صحیح ہے۔

عاشقم بر لطف و بر قہرش بجدّ
اے عجب من عاشقِ این ہر دو ضدّ

(جلال الدین مولویؒ)

"کبوتر با کبوتر باز با باز"

نوریان مر نوریان را طالبند
ناریان مر ناریان را جاذبند

(جلال الدین مولویؒ)

بہن کا وجود وہ گوہر ہے کہ جس کو صرف خالص محبت کے ترازو میں تولا جاسکتا ہے اور کسی دوسری چیز سے اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے، عشق کا ایک عنوان ہے جسے محبت ہی سے قائم کیا جاسکتا ہے۔

جو لوگ انسانیت کے پاک احساسات و جذبات کے حامل ہیں وہ بہن کو جان کے برابر سمجھتے ہیں، ان اوراق کے چیمپین، اس کتاب کے ہیرو بھی ایسے ہی افراد میں سے تھے۔ علاّمہ نوریؒ نور سے دھوئے ہوئے قلب کے مالک تھے جو خالص محبت سے سرشار تھا۔

مجھے یہ تو معلوم نہیں ہے کہ آپ کو خدا نے کتنی بہنیں عطا کی تھیں۔ ہاں

تاریخ میں دو بہنوں کے کچھ حالات ملتے ہیں کہ جنہوں نے تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ایک مولی فتح اللہ نوری کی زوجہ اور شیخ موسیٰ نوری کی والدہ ہیں اور دوسری ملا عباس نوری — کہ جو اپنے زمانہ کے بڑے عالم، متقی اور پیشوا تھے — کی زوجہ اور شہید آیت اللہ شیخ فضل اللہ نوری کی والدہ تھیں۔

وہ شہید جو تختۂ دار تک ثابت قدم رہے اور ان مغرب زدہ لوگوں کو — جو خود کو روشن فکر خیال کرتے تھے — مزید رسوا کر دیا۔ مصلحت پسند غیر صالح افراد نے بہت کہا کہ: مولانا! چند گھنٹوں کے لئے برطانیہ کا پرچم — میں نہیں جانتا وہ برطانیہ کا پرچم تھا یا روس کا — گھر پر نصب کر دیجئے تو آپ کو امان مل جائے گی!! شیخ شہید نے با آواز بلند فرمایا: "نہیں ہو سکتا عزت کی موت مسلمان کے لئے ذلت کی زندگی سے بہتر ہے" اور اس سے بڑی ذلت کیا ہوگی کہ غیر کے پرچم کے نیچے پناہ لیں۔ ھیھات منا الذلہ[1]

پہلے یہ پیارے بھانجے اپنے ماموں جان کے داماد، ہم فکر اور ہمراہ تھے۔ اب دار سے اعجاز آمیز معراج کی طرف پرواز کرنے والے ہیں جس معظم و راہنما اور ہم خیال کے انتقال کو سات سال ہو رہے ہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے شائد قضیہ کی نوعیت ہی کچھ اور ہوتی۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سی باتیں ہیں لیکن فی الحال انھیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

---

[1] امام حسینؑ کی حدیث ہے۔

اگر ہم نپی تلی اور صحیح بات پر توجہ رکھیں کہ، عورت مرد کو اور مرد تاریخ بناتا ہے[1] تو اس وقت ہم علامہ نوری کی بہن، بیٹی کے نجات بخش اور اہم کردار کو تاریخ سازی میں، "تختہ" دار تک پائیدار پائیں گے۔

یہ علامہ میرزا حسین نوری کی بہن تھیں کہ جنہوں نے ایسے بیٹے کی تربیت کی تھی کہ اگر کسی وقت دار و رسن کی نوبت آجائے تو اس سے خوف نہ کھائے راضی برضا قبول کرے لیکن ذلت قبول نہ کرے۔ ذلت پر موت کو ترجیح دے اور انھوں نے ترجیح دی۔ اور یہ علاّمہ کی بیٹی تھیں کہ جو شہید فضل اللہ کے نور سے معمور زندگی کی شاہد تھیں اور آخر تک نبھا کیا تاکہ ایک دنیا کو روشن کریں اور کر دیا، راوئ نوری کی بہن شہید کی ماں اور بیٹی شہید کی شریک حیات تھیں، یہاں یہ شعر کتنا موزوں معلوم ہوتا ہے ؎

کبوتر با کبوتر باز با باز
کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

میلادِ نور

شہر نور کے سرسبز دیہاتوں میں سے یہاں ایک دیہات "یالو" ہے۔ تاریخ زمانہ بتاتی ہے کہ ۱۲۵۴ھ ق کو ۱۸ روز قبل شہر نور اور دیہات کے لوگوں نے تمام مسلمانوں کی طرح عید فطر کا جشن منایا تھا اور سب ایک دوسرے

---

[1] حماسۂ حسینی ج ۱ ص ۲۷۷، طبع اول

کی خوشی میں شریک تھے کیونکہ عید فطر تمام دنیا کے مسلمانوں کی عید ہے ۔

لیکن آج شوال کی ۱۸ تاریخ ہے ۔ شہر نور میں ایک اور خوشی کا غلغلہ ہے ۔سب خوش ہیں اس لئے مسرور ہیں کہ نوریوں میں ایک نور کا اضافہ ہوا ہے ۔

پاک سرشت لوگوں کی حدیث شہر کی حدیث ،محبت و خوشی ہے ۔ایسا سماں تھا کہ آپ یہ خیال کریں گے کہ ۱۸ روز کی مختصر مدت گزرنے کے بعد یہ ولادت با برکت شہر نور کے باشندوں کے لئے خالق نور کی طرف سے عیدی تھی۔ شہر میں جس کو بھی آپ دیکھتے خوش و مسرور پاتے ۔ ایک دوسرے کے پاس جاتے تو پوچھتے : خیریت تو ہے، بڑے خوش نظر آرہے ہیں ؟ کیوں خوش نہ ہوں کیا آپ کو اطلاع نہیں ہے ،آج ہمیں خوشی منانا چاہیئے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے ۔

آج ہمارے مرجع تقلید و پیشوا ، آیت اللہ میرزا محمد تقی نوری کے دولت خانہ پر جشن برپا ہے ۔ ان کا گھر ،قوم کا گھر ہے لہذا سب کو خوشی منانا چاہیئے ۔

لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کر رہے تھے اور مستقبل کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے ۔کون جانتا ہے ہوسکتا ہے ان کے ضمیر و خیال اس نومولود بچہ کا روشن مستقبل دیکھ رہے ہوں کہ یہ بھی اپنے والد اور بڑے بھائیوں کی طرح لوگوں کے مرجع بنیں گے ۔لیکن اس روز خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ نومولود خاندان نوری کا گل سرسبد ہوگا ۔ ایک ہفتہ گزر گیا ۔ اس ہفتہ میں اس مولود کو محمد کے

نام سے پکارا گیا[1] ساتویں روز، نام گزاری ہوئی اور نوریوں کا خاندان اس نوزاد کو حسین کے نام سے پکارنے لگا تاکہ تمام نوریاں اس نام سے امام حسینؑ کی حیات بخش یاد اور حماسہ عاشورا سے اپنے نور دل اور حیات آفرین جذبات کو فروغ دے سکیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ بہترین انتخاب نوریوں کے دل میں ایک الہام تھا، ایک موتی تھا جو حماسہ حسینی کے آب زلال میں چمک رہا تھا۔

خدا جانتا تھا، شائد خاندان نوری کی نگاہیں بھی مستقبل میں دیکھ رہی تھیں کہ انہوں نے ایسا نام تجویز کیا، بعید نہیں ہے ایسا ہی رہا ہو، کیا روایات میں نہیں ہے کہ مومن خدا کی آنکھ سے دیکھتا ہے[2]۔

نوری نے شہر نور سے ضوفشانی کا آغاز کیا، زمانوں اور مکانوں کو منور کیا ایک جہاں کو نہیں بلکہ بہت سے جہانوں کو جلا بخشی، اور ابھی تک آسمان علم و دین پر چمک رہے ہیں۔ امید ہے کہ مستقبل میں اس سے زیادہ نورافشانی کریں گے۔

باش تا صبح دولتش بدمد
این ہنوز از سپیدۂ سحر است

درّ یتیم

زمانہ کے چشمۂ زلال کے ساتھ شہر نور کا مولود، فرزند نور بھی

---

[1] اسلام کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ پیدائش کے بعد ایک ہفتہ تک اگر لڑکا ہے تو محمد اور لڑکی ہے تو فاطمہ کے نام سے پکاری جائے کہ بہترین مردوں اور برترین عورتوں کی یاد پاک دلوں کو آرام بخشتی ہے۔

[2] میزان الحکمہ ج، ص ۴۳۸ طبع قم ۱۳۷۱ ھ ش

بڑھ رہا تھا اور رفتہ رفتہ رشد پا رہا تھا، بڑا ہو رہا تھا۔

فرزند نور اپنے دانشور والد اور عالم و خیر اندیش بھائیوں کے سایہ میں پروان چڑھ رہا تھا۔ سب ہی ان پر غبطہ کر رہے تھے، بہت سی تمنائیں تھیں کہ اپنی زندگی میں ایک گھڑی ایسی دیکھیں جس میں ایک نوریوں کا شریک زندگی ملے کہ جس میں اپنے علم و نظر کے دامن سے گل سر سبد کو ابھرتا ہوا دیکھیں۔ لیکن جس وقت وہ نوزاد شہر نور یا اس گلستان کا شگفتہ گل تھا اور باپ کی محبت کے سایہ میں کھلتا اور مہکتا تھا عین اسی وقت ؎

ہر گل کہ بیشتر بہ چمن می دہد صفا
گلچین روزگار امانش نمی دھد

ابھی آپ آٹھ سال کے نہیں ہوئے تھے کہ باپ کا داغ اٹھایا، نوریؒ یتیم ہو گئے۔ ان کے دانشور والد ابدیت کی طرف کوچ کر گئے اور ان کے چہرہ پر یتیمی کی خاک اور رنگ خزاں چھا گیا قریب تھا کہ والد کے ساتھ وہ بھی سدھاریں۔

دانشور بھائیوں نے انھیں سہارا دیا اور وہ لوگ بھی ان کے شریک غم ہوئے جو انھیں اپنے مرجع و پیشوا کی یادگار سمجھتے تھے، انھوں نے اپنی محبتوں سے نوری کی امیدیں بندھائیں، نوریؒ نے ہمت و استقامت سے کام لیا اور مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش میں مشغول ہوئے۔

خضر راہ

طی این مرحلہ بے همرہی خضر مکن
ظلمات است بترس از خطر گمراہی (حافظ)

جو شخص راہ کمال طے کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ایک یا بہت سے صادق و دل سوز راہنماؤں کی ضرورت ہے کہ جس کو لسان الغیب کی عبارت میں خضر راہ کہتے ہیں ۔ خصوصاً اس شخص کو راہنما کی اشد ضرورت ہے جو کہ ابتدائے راہ میں ہے ۔

اگر یہ کہا جائے کہ عظیم لوگوں کی کامیابی کا راز اسی اہم نکتہ میں مضمر ہے تو یہ بہت بعید نہیں ہے ۔ کیونکہ بہت سے عظیم لوگ اپنی کامیابی کو اپنے دل سوز صادق معلمین و تربیت کرنے والوں کا رہین منت خیال کرتے ہیں ۔

بے شک محدث نوریؒ بھی ان ہی عظیم لوگوں میں سے ایک ہیں ۔ ان ہی کی طرح آپ کی زندگی کے زیادہ تر مراحل اس حیاتی مرحلہ میں محبوب کی نذر ہوئے نوریؒ اگرچہ بچپنے میں والد کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے لیکن انہوں نے اسی زمانہ سے کوشش و جانفشانی سے تحقیق کا آغاز کیا اور جو انھوں نے چاہا وہ حاصل کر لیا کیونکہ جو یندہ یابندہ ہوتا ہے اور حرکت میں برکت ہے ۔

تو پائے بہ راہ درنہ و ہیچ مگو
خود راہ بگویدت کہ چون باید رفت

نوریؒ عزم بالجزم کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں تلاش کرتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں آگے بڑھتے ہیں اور ڈھونڈتے ہیں تاکہ انھیں کوئی خضر راہ مل جائے ۔

ابھی وہ چودہ یا پندرہ سال سے زیادہ کے نہیں ہوئے تھے ، نوجوان ہی تھے کہ بڑے شوق و ولولہ کے ساتھ مولی محمد علی محلاتی کی معیت اختیار کی

اور استاد کے خرمن علم سے زیادہ خوشہ چینی کی اور ہر وقت خدا سے یہ دعا کرتے رہے کہ جوانی کے زمانہ میں جو وقت ملتا ہے اس کی کوئی گھڑی رائیگاں نہ جائے۔ شاید انہوں نے بچپنے ہی سے امیرالمومنین علیؑ کی حدیث سن رکھی تھی، وقت کے ضیاع میں حسرت کے علاوہ کچھ نہیں ہے[۱]

سفر

یہ صحیح ہے کہ ہجرت و ہجراں دونوں کی اصل ایک ہے اور ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن کیا کیا جا سکتا ہے کہ: بغیر مشقت کے دولت نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ جو زیادہ گھومتا ہے وہ زیادہ ذخیرہ کرتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ انسان خود کو محدود نہیں کر سکتا ہے بلکہ اس کے برعکس وہ ایک افق سے دوسرے افق کی طرف پرواز کرنا چاہتا ہے۔

ایک بامقصد انسان کے لئے بیٹھے رہنا ہی موت ہے انسان اشرف المخلوقات ہے وہ خاموش و ساکن زندگی نہیں گزار سکتا ہے۔

اس بنا پر بیدار انسان ہی مرد میدان ہوتے ہیں اور وہی حرکت و جنبش میں ہیں اسلام کی تاریخ کا مبداء خواہ مخواہ ہی ہجرت کو قرار نہیں دیا گیا ہے اس میں بال سے زیادہ باریک ہزار نکات پوشیدہ ہیں۔

خصوصاً اگلے زمانوں میں سفر کی اتنی سہولتیں نہیں تھیں اور نہ ارتباطات

---

[۱] نہج البلاغہ حکمت ۱۱۸

میں اتنی آسانیاں تھیں، بلکہ دوسری ہی صورتحال تھی۔ مہینوں کی مدت میں نزدیک والے شہر ایک دوسرے کے اخبار سے باخبر ہوتے تھے۔

اس چھوٹے سے مقدمہ سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محدّث نوری کو کیوں قرار نہ تھا اور کیوں ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ سیر و سفر ہی ان کی زندگی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نوریؒ ان سفروں میں اپنے سفر کے لئے بہترین نقشہ کھینچتے ہیں جو کہ مثلث و قابل دید ہے۔

ایک نقطہ مکہ مکرّمہ، خانہ خدا ہے۔ دوسرا نقطہ روضۂ امام رضا علیہ السلام ہے اور تیسرا نقطہ عراق میں عتبات عالیہ ہیں۔ ان ہی تین مرکزوں پر پروانہ وار گھومتے ہیں ادھر سے اُدھر پرواز کرتے ہیں۔

سب سے پہلے انہوں نے تہران کا سفر کیا تاکہ اپنے خسر معظم جلیل القدر عالم شیخ عبد الرحیم بروجردیؒ سے استفادہ کریں لیکن تحقیق و تتبع کی تب و تاب تہران میں بھی آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ آخر کار ۱۲۷۳ھ ق میں اپنے استاد و خسر کے ہمراہ عراق تشریف لے جاتے ہیں۔ چار سال گزر جانے کے بعد حوزۂ علمیہ نجف اشرف سے کوچ کرتے ہیں اور ایران لوٹ آتے ہیں لیکن مختصر مدت کے بعد پھر توفیق میسر آتی ہے اور ۱۲۷۸ھ ق میں عراق ہجرت کر جاتے ہیں۔ یہ ہجرت آپ عظیم دانشور آیت اللہ شیخ عبد الحسین تہرانی المعروف بہ شیخ العراقین کے ساتھ کرتے ہیں۔ کربلا میں ان کے ساتھ کچھ عرصہ گزارنے کے بعد دونوں کاظمین چلے جاتے ہیں وہاں دو امام ہمام (موسیٰ کاظم اور امام محمد تقی) کے سایہ میں تحصیل علم اور تحقیق میں مشغول ہوتے ہیں اور ۱۲۸۰ھ ق جبکہ آپ ۲۶ سال کے تھے محبوب کے دریا کی طرف پہلا سفر اختیار کرتے ہیں تاکہ عہد الست کی تجدید کے

ضمن میں ساری دنیا کے مسلمانوں کے سالانہ سیمنار میں شرکت کریں۔

محبوب کے دریا کی زیارت اور اپنے حبیب کے حضور میں راز و نیاز کے بعد تیسری بار عراق ہجرت کرتے ہیں اور نجف اشرف میں آیت اللہ شیخ مرتضیٰ انصاری کے کے درس میں شریک ہوتے ہیں مگر افسوس آپ شیخ اعظم سے زیادہ دن تک استفادہ نہیں کر پاتے ہیں کہ اسی زمانہ ــــ سنہ ۱۲۸۱ھ ق ــــ میں شیخ انصاری دار فانی سے عالم بقا کی طرف سفر کر جاتے ہیں۔

تین سال کے بعد سنہ ۱۲۸۴ھ ق میں دوبارہ اپنے وطن ایران لوٹ آتے ہیں تاکہ ثامن الحجج کی زیارت کے ضمن میں ایران کے مسلمانوں کی حالت کا اندازہ بھی لگائیں اور قریب سے اپنے ہم وطن لوگوں کے رقت انگیز حالات دیکھیں جو کہ اس زمانہ میں قاچار کے حکام کے ہاتھوں میں اسیر تھے تاکہ نجف اشرف لوٹنے کے بعد ــــ کہ اس زمانہ میں شیعوں کا مرکز تھا ــــ ایک رپورٹ آپ کے ساتھ رہے۔

آخر کار امام رضا علیہ آلاف التحیہ والثناء کی خاک بوسی کے بعد غربت مسافرت کے رنج و غم کے ساتھ چوتھی بار سنہ ۱۲۸۶ھ ق میں عازم عراق ہوئے۔ اسی سال آپ کے استاد شیخ العارفین کا انتقال ہوا اور ان کے فراق میں جوان دانشور اور شاگرد کا قلب مغموم ہو گیا۔

آیت اللہ نوریؒ نے جب یہ دیکھا کہ ان کے استاد دنیا سے سفر کر گئے ہیں، استاد کا فراق و تنہائی برداشت نہیں کر پاتے ہیں، فراق سے بچنے کے لئے دوبارہ خانہ کعبہ کا سفر کرتے ہیں کہ محبوب کا ایک مرتبہ اور دیدار کر لیں۔ اعمال حج بجا لانے کے بعد وہیں سے عازم عراق ہوتے ہیں اور نجف اشرف کی طرف روانہ

ہوجاتے ہیں تاکہ حرم کے کبوتروں کی طرح ہر صبح کو مجسم عدل وانصاف حضرت علیؑ کے گنبد کا طواف کریں۔

اس دفعہ عزم راسخ کے ساتھ نجف اشرف میں اقامت گزیں ہوتے ہیں اور میرزائے بزرگ کے درس کے پروانہ ہوجاتے ہیں۔ یہاں سے نوریؒ کی زندگی کی نئی فصل کا آغاز ہوتا ہے۔

علّامہ نوری کے علمی وعبادی سفر کا سلسلہ جاری ہے ہم اختصار کے ساتھ انکی طرف اشارہ کرتے ہیں: تیسری بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوتے ہیں وہاں سے ایران تشریف لاتے ہیں اور سنہ ۱۲۹۷ھ ق میں ایک مرتبہ پھر ثامن الحجج کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ پھر چوتھی بار سنہ ۱۲۹۹ھ ق میں حج کو روانہ ہوتے ہیں اور وہاں سے عازم سامرا ہوتے ہیں۔ اور عمر کے باقی حصہ کو سامرا، نجف اور کربلا میں گزارتے ہیں۔

فصلِ دوم

آثار و اساتذہ

بزرگوں کے ہمراہ

اس میں شک نہیں ہے کہ آیت اللہ نوری نے بہت سے علماء کے خرمن سے خوشہ چینی کی اور آپ بہت سے دانشوروں کے شائستہ شاگرد قرار پائے کہ ان میں سے بعض نے تحریری صورت میں آپ کی مہارت و تبحر علمی کی تائید کی ہے اختصار کے ساتھ ہم ان میں سے بعض بزرگ علما کے اسماء پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ فقیہ فاضل ملا محمد علی محلاتیؒ : نوریؒ کے پہلے معلم و مربی تھے۔ مستدرک الوسائل کے خاتمہ پر آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

"جلیل القدر عالم بیدار مغز فقیہ زاہد استاد بزرگوار مولا محمد علی محلاتی ــ ۱۲۳۲ ــ ۱۳۰۶ق ــ اصول و فقہ میں

ید طولا رکھتے تھے۔ اہل دنیا سے منہ پھرائے ہوئے تھے
انہوں نے خود کو بنایا تھا۔ ہمہ وقت اپنی اصلاح میں رہتے،
روضہ، ریاض اور قوانین[1] پڑھانے میں ان سے بہتر میں نے
نہیں دیکھا۔[2]"

۲۔ جلیل القدر عالم شیخ عبد الرحیم بروجردی (متوفی ۱۳۰۶ھ ق) علامہ نوری اپنے اس استاد و خسر معظم کو احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

۳۔ شیخ العارفین عبد الحسین تہرانی (متوفی ۱۲۸۶ھ ق) ہیں سب سے پہلے علامہ نوری کو ان ہی سے اجازہ ملا اور یہ اس وقت (۱۲۷۶ھ) کا واقعہ ہے جب آپکی عمر ۲۲ سال سے زائد نہ تھی۔ علامہ نوری ان کا ذکر بھی احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔[3] وہ استعمار سے جنگ کرنے والے شیر دل امیر کبیر کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔

۴۔ شیخ اعظم انصاری قدس سرہ کی شخصیت کا تعارف اس مختصر کتاب نہیں کرایا جاسکتا ہے۔ وہ آفتاب کی مانند ہر جگہ ضوفشاں معلوم ہوتے ہیں نوری نے ان سے بھی اجازہ حاصل کیا ہے۔

۵۔ امام مجدد میرزائے بزرگ، آیت اللہ سید محمد حسن شیرازی (۱۲۳۰-۱۳۱۲)

---

[1] تینوں کتابیں اس زمانہ میں حوزہ کے نصاب میں شامل تھیں روضہ یعنی شرح لمعہ ابھی بھی حوزہ کے نصاب میں شامل ہے۔

[2] خاتمہ مستدرک الوسائل سہ جلدی ج ۳ ص ۸۷۷ [3] خاتمہ مستدرک الوسائل سہ جلدی ج ۳ ص ۸۷۷

کا تذکرہ ہم علیحدہ فصل میں کریں گے۔

۶۔ جمال السالکین، آخوند ملا فتعلی سلطان آبادی (۱۳۱۲ق)۔ آپ عارف کامل معلّم اخلاق، صاحب کشف و کرامات لکھتے ہیں۔ علامۂ نوریؒ اُن کے حواریوں میں سے تھے اپنی دو کتاب "دارالسلام" و "کلمۂ طیبہ" میں ان سے عجیب داستانیں نقل کی ہیں۔[1]

۷۔ فقیہ کبیر ملا شیخ علی خلیلی (۱۲۲۶–۱۲۹۷ق)۔ آپ پورے قرآن اور صحیفۂ سجّادیہ کے حافظ اور صاحب کشف و کرامات تھے۔[2] نوریؒ نے ان بزرگوار سے بھی روایت کی ہے۔

۸۔ معزالدین سید مہدی قزوینی۔ آپ کی بہت سی تالیفات ہیں، محدث نوریؒ نے آپ سے بھی روایت کی ہے۔[3]

۹۔ میرزا محمد ہاشم خوانساری (۱۲۳۵–۱۳۱۸) آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں جیسے مبانی الاصول وغیرہ۔ محدث نوریؒ نے ان سے بھی اجازہ حاصل کیا تھا۔[4]

۱۰۔ آیت اللہ حاج ملا علی کنی[5] (۱۲۲۰–۱۳۰۶)۔

---

[1] کیہان اندیشہ شمارہ: ۴۵ ص۷۹ - ۶۹ - ۱۳۷۱ھ ش

[2] ماضی النجف و حاضرہا ج۲ ص۲۳۹، طبع بیروت [3] احسن الودیعہ ج۱ ص۸۹ ۱۳۴۸ھ ق بغداد

[4] احسن الودیعہ ج۱ ص۱۴۱

[5] احسن الودیعہ ج۱ ص۱۴۱

مجدّد کی خدمت میں

محدث نوریؒ نجف اشرف میں میرزائے بزرگ، مجدد شیرازی کے درس میں شرکت کرتے تھے اور جب میرزا نے سامرا ہجرت کی تو محدث نوری نے اپنے شیخ آخوند ملا فتعلی سلطان آبادی اور اپنے داماد شہید شیخ فضل اللہ نوری کے ساتھ سب سے پہلے ان کے ہمراہ ہجرت کی تھی۔

نوریؒ نوری کے ساتھ جاتا ہے تاکہ عسکریینؑ کے حرم کو تازگی عطا کریں، نوریان ایک دوسرے کے پیچھے اس لئے جاتے ہیں تاکہ سامرا کو سرّ مَنْ رای کریں اور اس کی غربت کو شیعیت کی آب و ہوا سے صاف کریں۔

اس کے بعد آپ نشر فتویٰ سے متصل ہوئے اور لحظہ بھر کے لئے بھی جدا نہ ہوئے۔ میرزا کے دولت خانہ میں جو کہ اس زمانہ میں مرکز تشیّع شمار ہوتا تھا پوری جدوجہد کے ساتھ کوشش کرتے ہیں اور شمع مرجعیت کے وجود کے چاروں طرف پروانہ وار پرواز کرتے ہیں اور میرزا کی عزت میں جو کہ اس وقت مسلمانوں کی عزت شمار ہوتی تھی، چار چاند لگانے میں ہمہ تن کوشاں رہتے تھے۔

اس استقامت و جراُت کے ساتھ خدمت کی کہ اگر ہم یہ کہیں کہ نوری میرزا کے مددگار تھے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں جناب بزرگ تہرانی لکھتے ہیں:

"علامہ نوری مجدد شیرازی کے سب سے بڑے اور قدیم ترین اصحاب میں سے تھے۔ اہم کام میرزا ان ہی کے سپرد کرتے تھے اور ان کے مشورہ

سے انجام پاتے تھے ۔ نوریؒ میرزا کے ان معدود شاگردوں میں سے تھے جو کہ دنیا بھر میں نمایاں تھے ۔"

دنیا بھر سے جو خطوط مرجع تقلید کے گھر آتے تھے ان میں سے اکثر نوریؒ کے توسط سے میرزا تک پہنچتے تھے اور زیادہ تر خطوط کا جواب ان ہی کے قلم سے لکھا جاتا تھا مہاجرین و پناہ گزین لوگوں کی ضروریات مرجع کے گھر سے آپ ہی کی کوششوں سے پوری ہوتی تھیں گویا کہ آپ امام مجدد کے نمایندہ اور حسب ذیل امور کے ذمہ دار تھے :

۱۔ آنے والوں سے ملاقات اور ان کی مہمان نوازی ۔

۲۔ مہمانوں کا استقبال اور الوداع ۔

۳۔ طلبہ کے پروگرام کی تنظیم اور ان کے امور معاش کی خبر گیری ۔

۴۔ بیماروں اور درماندہ لوگوں کی عیادت ۔

۵۔ سید الشہداء کی عزاداری میں مجالس کے انعقاد کا پروگرام اور بہت سے کام جو کہ مجدد شیرازی ایسے مرجع تقلید کی شایان شان ہوتے ہیں[۱]۔ سب آپ ہی کے ہاتھ میں تھے ۔

میرزا شیرازی اور علامہ نوری کے درمیان استاد و شاگردی کے رشتہ کے علاوہ اور بھی گوناگوں قسم کے رشتے تھے ۔

دو ہمدم و ہمدل کے ارتباط ، نوری نے اپنی عمر خلوص کے ساتھ مرجعیت

---

[۱] نقباء البشر ج ۲ ص ۵۴۹

کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی، استاد بھی انھیں تہہ دل سے چاہتے تھے اور کبھی انھیں فراموش نہیں کرتے تھے۔ بیٹوں کی طرح مانتے تھے بلکہ ان سے بھی زیادہ محبت فرماتے تھے، کبھی آپ کا نام لیکر آواز نہیں دی بلکہ میرزائے شیرازی اور والد کے اتباع میں بیٹے حاج آقا، جناب مولانا! کہکر آواز دیتے تھے۔ میرزا اس سیرت سے علامۂ نوریؒ کا زیادہ سے زیادہ احترام کرانا چاہتے تھے[1]۔

میں نے دیکھا ہے کہ بعض مقامات پر آپ کو علامۂ دہر اور نادرۃ الزمن ایسے القاب سے یاد کرتے ہیں[2]۔

یادگار آثار

تعجب ہے کہ پے در پے سفر و ہجرت کے باوجود آپنے بہت زیادہ یادگار آثار چھوڑے ہیں۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ انقلاب تمباکو کے ہیجان کے ساتھ رہنے والے نے طاقت فرسا کاموں اور بے پناہ مشغولیتوں کے باوجود تالیف کا کام بھی کیا ہے۔ اور معمولی کتاب تالیف نہیں کی ہے صرف مستدرک الوسائل کی تالیف کے لئے ایک ایسی جماعت درکار ہے جو ایک زمانہ تک شب و روز کوشش میں مشغول رہے تب کہیں ایسی کتاب وجود میں آئے گی۔

---

[1] نقباء البشر ج ۲ ص ۵۵۵

[2] بدر شعشع طبع بمبئی

لیکن انہوں نے تن تنہا دوسرے کاموں کے ساتھ اس عظیم کام کو بھی انجام دیا۔

آقای بزرگ تہرانی جب یہاں پہنچتے ہیں تو لکھتے ہیں:

"ہر شخص اس زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر نوریؒ کے بے پناہ آثار کو دیکھے گا، وہ آثار جن میں دقت و تحقیق کا دریا موج زن ہے، تو اسے اس سلسلہ میں کوئی شک و تردید نہ ہوگی کہ روح القدس ان کے مددگار تھی[۱]"

اب ہم ایک مختصر وضاحت کے ساتھ علامہ نوری کے یادگار آثار کو قلم بند کرتے ہیں تاکہ ان میں سے ہر ایک راہ کمال کے سالکوں کے لئے مشعل بن جائے:

۱۔ "مواقع النجوم"۔ یہ کتاب نوریوں کے اجازوں کا شجرہ نامہ ہے اور علامہ نوریؒ کا اولین اثر ہے۔ یہ کتاب آپ نے اکیس سال کی عمر میں تالیف کی تھی۔ بعد میں جناب کمرہ ای صاحب کی کوششوں سے طبع ہوئی۔

۲۔ "نفس الرحمٰن فی فضائل سیدنا سلمان"؛ جیسا کہ نام ہی سے واضح ہے اس کتاب کا موضوع سلمان فارسی کے فضائل و سوانح حیات ہے سنہ ۱۲۸۳ھ ق میں کربلا میں اس کی تالیف مکمل ہوئی اور پہلی بار علامہ نوری کے زمانہ میں سنہ ۱۲۸۵ھ ق میں طبع ہوئی اور دوبارہ چھپی[۲]

---

[۱] نقباس البشر ج ۲ ص ۵۴۹

[۲] سنہ ۱۳۶۹ھ ش میں جواد قیومی صاحب کی تحقیق اور علامہ نوری کی حیات پر ایک مقدمہ کے ساتھ نہایت ہی دیدہ زیب طبع ہوئی ہے

۳۔ "دارالسلام"۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی خواب و تعبیر خواب وغیرہ پر محیط ہے اور دوسری میں حروف تہجی کی ترتیب سے مواعظ و اخلاق تحریر ہیں۔ سنہ ۱۲۹۲ ھ ق میں سامرا میں اس کی تالیف مکمل ہوئی اور اب تک کئی بار چھپ چکی ہے۔[1]

۴۔ "فصل الخطاب..." نجف میں سنہ ۱۲۹۲ ھ ق میں تالیف کی تھی۔

۵۔ "معالم العبر"۔ سنہ ۱۲۹۶ ھ ق میں سامرا میں تالیف کی۔ مرحوم مؤلف نے اس کتاب سے بحار کی سترہویں جلد کو کامل کیا ہے۔

۶۔ "میزان السماء"۔ سنہ ۱۲۹۹ ھ ق میں تہران میں تالیف کی یہ کتاب فارسی میں ہے اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رسول کی ولادت ۱۷ ربیع الاول کو ہوئی نہ کہ بارہ کو۔

۷۔ "کلمۂ طیب"۔ اخبار و احادیث اور اخلاقی حکایات پر مشتمل ہے اور یہ کتاب فارسی میں ہے۔ تاریخ تالیف سنہ ۱۳۰۱ ھ ق۔

۸۔ "جنت الماویٰ"۔ اس کتاب میں ان لوگوں کی داستانیں نقل کی گئی ہیں کہ جنھوں نے امام زمانہ عج سے ملاقات کی ہے۔ تاریخ تالیف سنہ ۱۳۰۲ ھ ق۔

۹۔ "فیض القدسی"۔ یہ کتاب بحار الانوار کے مؤلف علامہ مجلسی کی سوانح پر محیط ہے۔ تاریخ تالیف سنہ ۱۳۰۲ ھ ق۔

---

[1] "دارالسلام" سید ہاشم رسولی محلاتی کی تصحیح کے ساتھ چار جلدوں میں چھپی ہے۔

۱۰۔ "بدر مشعشع" در تراجم ذریۂ موسیٰ مبرقع بن امام محمد تقیؑ۔ تاریخ تالیف ۱۳۰۸ھ ق
یہ کتاب میرزائے بزرگ کی تقریظ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

۱۱۔ "کشف الاستار" یہ منکر وجود مہدیؑ کے قصیدہ کی رد میں ہے۔
تاریخ تالیف ۱۳۱۸ھ ق۔ اس کتاب کے تحقیقی اور استدلالی مضمون کو مصلح کبیر، مجتہد شہیر آیت اللہ شیخ محمد حسین کاشف الغطا نے نظم میں پیش کیا ہے اور قصیدہ کے مقدمہ میں اپنے استاد علامہ نوری کی تعریف و تکریم کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ قصیدہ میں نے اسی گڑھے ہوئے قصیدہ کے وزن و قافیہ پر کہا ہے۔ امید ہے کہ خدمت امام حضرت مہدی اور ان کے جانشین و علمائے دین خصوصاً صاحب کشف الاستار استاد نوری، کہ جن کا پوری ملت پر احسان ہے، کی خدمت میں مقبول ہو گا ــ ان کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے اگرچہ زندگی بھر ان کا شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔[۱]"

یہی کام دوسرے بڑے علماء، علامہ مجاہد شیخ محمد جود بلاغی، آیت اللہ سید محسن امین عاملی صاحب اعیان الشیعہ نے بھی کیا ہے اور اس مضمون کو قصیدہ میں پیش کیا ہے۔[۲]

---

[۱] کشف الاستار طبع دوم قم ۱۴۰۰ھ ق ص ۲۲۶
[۲] کشف الاستار کے آخر میں تینوں قصیدے چھپے ہیں۔

۱۲۔ "صحیفۂ ثانیہ علویہ" ۔ تاریخ تالیف ۱۳۰۲ھ ق

۱۳ - "صحیفۂ رابعہ سجادیہ" اس سلسلہ میں ہم "قرآن صاعد کے ذیل میں بحث کریں گے۔

۱۴۔ "سلامۃ المرصاد" فارسی میں ہے ۔ تاریخ تالیف ۱۳۱۷ھ ق۔

۱۵۔ مستدرک مزار بحار۔

۱۶ - حاشیہ بر منتہی المقال۔

۱۷ - ظلمات الھادیہ فی معائب معاویہ ۔

۱۸ - نجم الثاقب ۔

۱۹ - موالید الائمہ ۔

۲۰ - "شاخۂ طوبیٰ" فارسی میں ہے اور احیاء اسلامی سے متعلق موضوعات پر مشتمل ہے ۔

۲۱ - دیوان "مولودیہ" اشعار کا مختصر مجموعہ ہے کہ جس میں تقریبًا ہزار اشعار ہیں، فارسی میں ہے ۔

۲۲۔ مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل اس کا ذکر ہم ولو مختصر طور پر بھی کر چکے ہیں۔

۲۳ - "لؤلؤ مرجان" تاریخ تالیف ۱۳۱۹ھ ق ۔ اس کتاب پر ہم مخصوص فصل میں روشنی ڈالیں گے ۔

۲۴۔ "تحیۃ الزائر"۔ اس میں زیارت کے متن اور آداب زیارت مرقوم ہیں۔ علامہ نوری سے قبل اسی موضوع پر اور اسی نام سے علامہ مجلسیؒ نے ایک کتاب لکھی تھی ، علامہ نوریؒ اسے کامل کرنا چاہتے تھے ۔ مگر

افسوس موت نے مہلت نہ دی، کامل کرنے سے قبل ہی دنیا سے چلے گئے۔
بعد میں آپ کے شاگرد محدث قمیؒ نے۔ استاد کے کام کی تکمیل کی
اور اسے زیور طبع سے آراستہ کیا۔

۲۵۔ تقریرات بحث استاد شیخ العراقین۔
۲۶۔ اپنے دوسرے استاد میرزائے بزرگ کی تقریرات۔
۲۷۔ "اربعو نیات" جو کہ کلمہ طیبہ کے حاشیہ پر چھپی ہے۔
۲۸۔ اخبار حفظ القرآن۔
۲۹۔ رسالہ در ترجمہ مولیٰ ابی الحسن شریف۔
۳۰۔ مختلف موضوعات پر ایک کتاب کشکول نما۔
۳۱۔ حواشی بر توضیح المقال۔ ابو علی کی کتاب رجال کے آخر میں چھپے ہیں۔
۳۲۔ رسالہ فارسی در جواب شبہات فصل الخطاب و در رد تحریف القرآن
۳۳۔ "دارالسلام" کی دوسری جلد کا ترجمہ۔
۳۴۔ اجوبۃ المسائل۔

درخشاں ستارہ

آمادہ شو جمال پری طلعتان طلب
جاروب زن بہ خانہ پس میہمان طلب

ایک سو گیارہ سال قبل شعبان کی ایک مبارک شب کا عراق کا ایک
شہر گواہ ہے وہ شب کہ جس میں چند سحر خیز اپنے محبوب کے انتظار میں بیٹھے

نغمہ صبحی پڑھ رہے تھے۔

ان منتظرین کی میقات وہ شہر تھا کہ جہاں شگوفہ نرگس اور گل سوسن شگفتہ ہوا اور دنیا کو نئی زندگی عطا کی وہ پھول جو تقریباً بارہ سو سال[۲۰] سے بہاروں کو نشاط اور دلوں کو حیات بخش رہا ہے۔

قیامت قامت قامت قیامت
بہ قدقامت بہ ماند تا قیامت
مؤذن گر ببیند قامت را
بہ قدقامت بہ ماند تا قیامت

ایک بار اس نرگس کدہ اور مرکز عشاق پر کہ جس کو مورخین اور جغرافیہ دان سامرا کہتے ہیں۔ زائرین کے جم غفیر میں دو میزبان زائرین بھی تھے کہ جن میں انس و محبت پیدا ہو گئی تھی اور ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔

ایک عالی قدر مرجع جرأت فتویٰ کے تیسر آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسن شیرازی اور دوسرے ان کے شاگرد و معاون محدث نوری تھے۔ دونوں مخصوص و باوقار انداز میں گردن جھکائے ہوئے بیٹھے یہ سوچ رہے تھے کہ پسماندہ طبقہ کی مدد کی جائے دنیا میں کسی ظلم کا نشان نہ رہے۔ اس فکر میں تھے کہ کہیں مستضعفین وستم زدہ لوگ مایوس نہ ہو جائیں۔

دلوں میں امید کی کرن کو زندہ رکھنا چاہیئے اور قلوب کو قبلہ قلوب حضرت محبوب کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ انتظار کو خود اس کا مفہوم دینا چاہیئے۔ اس کا مفہوم صرف اصلاح ہے۔ آفتاب عدالت حضرت امام زمانہ عج کی حیات بخش یاد کو ستم زدہ لوگوں کے دل میں بڑھانا چاہیئے۔ ان کی یاد و خیال میں زندہ رہنا چاہیئے کہ ان کا ذکر خدا کا ذکر ہے اور اسی میں دلوں کا آرام ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (رعد/۲۸)

حضرت امام مہدیؑ کے ذکر و یاد میں دو دریا موجزن تھے اور دونوں فکر میں مستغرق بیٹھے تھے کہ استاد نے باوقار طریقے سے سربلند کیا اور فرمایا :

"مولانا ! آپ نے میری پیشکش کے بارے میں کیا سوچا ؟"

استاد ! کونسی پیش کش ؟

ارے یہی کہ حضرت ولی عصرؑ سے متعلق فارسی میں ایک کتاب لکھئے۔

استاد ! میں نے عرض کیا تھا کہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور بہت سی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

نہیں میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب آپ کے قلم سے وجود میں آئے۔ آپ خود اس موضوع پر فارسی میں ایک کتاب لکھیں تو خوب ہے۔

استاد ! گذشتہ سال میں نے جنّت الماویٰ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ جنھوں نے غیبت کبریٰ کے زمانہ میں محبوب کے وصال کو جان کے عوض خریدا ہے البتہ یہ وہ اشخاص ہیں جن کا بحار الانوار کی تیرھویں جلد میں ذکر نہیں ہوا ہے اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اس کا فارسی میں ترجمہ کر دوں اور اسی میں بحار کی تیرھویں جلد کا ضمیمہ کر دوں۔

بہت اچھا ہے، لیکن اسی پر اکتفا کیجئے اور ابتدائے کتاب میں حضرت امام مہدیؑ کی سوانح حیات کا اضافہ کیجئے تاکہ ایک جامع کتاب بن جائے۔

بہتر ہے استاد ! ایسا ہی کروں گا۔

مختصر یہ کہ شاگرد نے ایسا ہی کیا اور اپنا وعدہ وفا کردیا اور اس سے حماسۂ فتویٰ کے چیمپین کا دل اور زیادہ شاد ہوا اور تین ماہ کی مدت میں "النجم الثاقب" (درخشاں ستارہ، یعنی وہ ستارہ جو یاس و ناامیدی کے پردوں کو چاک کردیتا ہے اور امید کی کرن کے دریچے کھولتا ہے، تحریر کی۔

ایک قصہ

ہم یہاں علامہ نوریؒ کی کتاب "نجم الثاقب" سے ایک دلچسپ داستان نقل کررہے ہیں، جلیل القدر محدث شیخ حر عاملی صاحب وسائل الشیعہ اپنی ایک کتاب میں رقم طراز ہیں:

"میں دس سال کی عمر میں ایک مرض میں مبتلا ہوا، گھر والے میرے بستر کے چاروں طرف کھڑے رو رہے تھے، سب کو یقین تھا کہ میں اس شب کی سحر تک زندہ نہیں رہوں گا، اس رات میں یقیناً مرجاؤں گا اور وہ میرا سوگ منائیں گے۔ ادھر میری یہ حالت تھی کہ نہ میں یہ کہہ سکتا تھا کہ میں خواب میں تھا اور نہ یہ بتا سکتا تھا کہ بیدار تھا اسی حالت میں، میں نے ائمۂ معصومینؑ سے توسل کیا اور ان ہی سے لو لگائی تو میں نے یہ محسوس کیا کہ میں رسول اکرمؐ اور بارہ اماموںؑ کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نے انھیں سلام کیا اور ان میں سے ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے گفتگو کی۔ انہوں نے

میرے حق میں دعا فرمائی۔ اس کے بعد میں نے حضرت ولی عصرؑ روحی فداہ کی خدمت میں سلام عرض کیا، یوسفِ زہراؑ سے مصافحہ کیا اور گریہ وزاری کے ساتھ عرض کی مولا! میں ڈرتا ہوں مرجاؤں گا اور میری دلی تمنائیں پوری نہ ہوں گی۔ آپ نے لطف کیا اور فرمایا:

"ڈرو نہیں! اس مرض میں تم نہیں مروگے بلکہ خداوند عالم تمہیں شفا عطا کرے گا اور تمہیں طویل عمر عنایت کرے گا اس وقت آپ نے مجھے وہ پیالہ عطا کیا جو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اس ساغرِ مینا سے ایک گھونٹ پیا تو اپنے اندر درد و مرض کا کہیں نام و نشان نہ پایا، گویا کہ میں بیمار ہی نہیں تھا۔ میری حالت کے بدل جانے سے سبھی آشنا لوگ متحیر تھے۔ دن گزرتے رہے اور میں یہ راز کسی کے سامنے فاش نہ کر سکا۔[1]"

گر طبیبا نہ بیائی بر سر بالینم
بہ دو عالم نہ دہم لذّت بیماری را

قرآن صاعد

اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ قرآن وحی منزل ہے اور خدا کی

---

[1] نجم الثاقب حکایت شصت ویکم ص ۴۵۱ قم جمکران طبع ۱۴۱۳ھ ق منقول از اثبات الھداۃ مولفہ مرحوم شیخ حر عاملیؒ

طرف سے رسول اکرمؐ پر نازل ہوا ہے۔ قرآن کو منزل یعنی نازل شدہ کہا جاتا ہے اور ائمہ معصومینؑ سے نقل ہونے والی روایات کو قرآن صاعد کہتے ہیں کیونکہ وہ نیچے سے اوپر کی طرف پرواز کرتی ہیں اور خاک سے اڑتی ہیں، عالم پاک میں پہنچتی ہیں

لوگوں کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ائمہ معصومین سے نقل ہونے والی دعاؤں کو سمجھنا اور ان کا ادراک کرنا تمام آسمانی کتابوں حتیٰ کہ قرآن مجید و نہج البلاغہ سے بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ دعاؤں میں خداوند عالم مخاطب ہے کہ عین علم ہے اور اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے جبکہ دوسری کتابیں تمام لوگوں کے لئے ہیں ان کے مخاطب عام لوگ ہیں یہاں تک کہ قرآن و نہج البلاغہ بھی خاکیوں کے لئے ہیں چہ نسبت خاک را با عالم پاک ؟

دعائیں قرآن صاعد ہیں اور ماثور دعاؤں میں بھی صحیفہ کاملہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور بڑے علماء میں سے اہل دل کی زبان میں اسے بہترین ناموں سے یاد کیا گیا ہے جیسے اخت القرآن، انجیل اہل بیت، زبور آل محمدؐ، زبان عشق حقیقی دیار عشاقؑ، پدر عرفان وغیرہ کہا گیا ہے۔

خواہر قرآن زبور اہل بیتؑ

خاور عرفان ز نور اہل بیتؑ

از امام العارفین حبل متین

سنگر سجادہ را حصن حصین

لقمۂ عرفان بود در خوان او

ہر کہ عارف طفل ابجد خوان او

دست مردان خدا را ساعد است
تالی قرآن کتاب ساعد است

(مؤلف)

اس مختصر کتاب میں صحیفہ سجادیہ کی توصیف بیان نہیں کی جا سکتی ۔ اس فضل و وصف کی کتاب کے لئے آب دریا کافی نہیں ہے کہ سرانگشت تر کرکے صفحہ شماری کروں ۔

بڑے بڑے دانشوروں نے اس کی شرح و تفسیر لکھنے میں خامہ فرسائی کی ہے بلکہ عروس قرآن نے چہرہ سے نقاب اٹھائی ہے تاکہ مستعد دلوں کو آباد اور پاک سرشت افراد کو شاد کرے ۔

بعض بزرگوں نے ان دعاؤں کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو صحیفہ سجادیہ میں ذکر نہیں ہوئی ہیں لیکن معتبر اسناد کی متفرق کتابوں میں نقل ہوئی ہیں ۔ یہی کام بعض علما نے دوسرے ائمہ کی دعاؤں کی جمع آوری کے سلسلہ میں انجام دیا ہے ۔ چنانچہ دعا اور حضرت محبوب کی بارگاہ میں راز و نیاز کے سلسلہ میں بہت سی روح پرور اور دل انگیز کتابیں شائع ہوئی ہیں جیسے صحیفہ علویہ ، صحیفۃ الحسین ، صحیفۃ الرضا ، صحیفہ صادقیہ اور صحیفۃ المہدی و ...

محدث نوری بھی اہل دل میں سے تھے ، عاشق راز و نیاز تھے لہٰذا انہوں نے اس سلسلہ میں خامہ فرسائی کی اور دو بہترین کتابیں یادگار چھوڑی ہیں ۔

۱۔ صحیفہ ثانیہ علویہ ، جو کہ امام عارفین حضرت علیؑ کی سو سے زائد دعاؤں پر مشتمل ہے ۔ بہت پہلے محدث سماہیجی نے ایک کتاب میں مولا علیؑ کی دعائیں

جمع کی تھیں جس کا نام "صحیفہ علویہ" تھا۔ ان کے بعد محدث نوریؒ نے وہ دعائیں جمع کیں جن تک محدث سماہیجی کی رسائی نہیں ہوئی تھی اور دعاؤں کے اس مجموعہ کا نام صحیفہ ثانیہ علویہ رکھا۔

۲۔ صحیفہ رابعہ سجادیہ۔ اس میں امام زین العابدینؑ کی معتبر و مستند دعائیں ہیں۔ علامہ مجلسیؒ کے زمانہ میں نامور دانشور شیخ حر عاملی صاحب وسائل الشیعہ نے ایک کتاب "صحیفہ ثانیہ سجادیہ" تالیف کی تھی۔ اس کے بعد عبداللہ آفندی نے ایک کتاب "صحیفہ ثالثہ سجادیہ" لکھی ان کے بعد محدث نوریؒ نے صحیفہ رابعہ سجادیہ تالیف کی تھی۔

اس طرح صحیفوں کا دائرۃ العرفان وجود میں آگیا کہ جس کو اہل دل کی اصطلاح میں قرآن صاعد کہتے ہیں تاکہ درد والے اپنے حقیقی دردوں کا ان سے علاج کریں۔

درد مجازی آن بود چارۂ او دوا کند درد حقیقی آن بود چارۂ او دعا کند
(آیت اللہ حسن زادہ عاملی)
مجازی دردوں کا علاج دوا ہے اور درد حقیقی کا علاج دعا ہے

حدیث حماسہ

بیزارم از آن حنجرہ کو زارت خواند
چون لالہ عزیز بودی و خوارت خواند
فریاد تو صبح سبز بیداران خواند
بیدار نبود آن کہ بیمارت خواند

جو لوگ آپ کو حقیر کہتے ہیں میں ان سے بیزار ہوں
آپ لالہ کی طرح عزیز ہیں وہ آپ کو خوار کہتے ہیں
آپ کے صبح کے زمزمۂ روشن خیال نے سبز باغ سمجھا
وہ لوگ بیدار فکر نہیں تھے جو آپ کو بیمار کہتے ہیں۔

جب صحیفہ سجادیہ کے سلسلہ میں بحث ہو رہی ہے تو دلو مختصر ہی حضرت سید الساجدین زین العابدینؑ امام العارفین کے کچھ حالات قلم بند کر دینا ضروری ہے، کیونکہ اس انسان کامل کا ذکر روح پرور اور حیات بخش ہے۔

امام زین العابدین، آج بھی یہاں تک کہ شیعوں کے درمیان بھی، غرب و مہجور ہیں۔ چنانچہ کم علم ذاکرین اور واقعات میں تحریف کرنے والے آپؑ کو بیمار امام یا علیل امام کہتے ہیں!!!

جس امام نے اپنی صحیفہ سجادیہ سے عرفان اسلامی میں روح پیدا کی ہے اور برحق آپ کو امام سجاد، ابو العرفان مثبت اور سچے عارفوں کا پیشوا کہا جاتا ہے۔ وہ پیشوا کہ جس نے یزیدیوں اور ظالموں کے مقابلہ میں شجاعت و جرأت کے ساتھ آواز بلند کی:

"اتهددني بالقتل اما تعلم ان القتل لنا عادة وكرامتنا الشهادة"[1]

مرجانہ کے بیٹے! تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا قتل ہونا ہماری عادت اور شہادت ہمارا افتخار ہے۔؟

---

[1] بحار الانوار ج ۴۵ ص ۱۱۸، عوالم ج ۱۷ ص ۳۸۵، منقول از لہوف سید ابن طاؤس ص ۱۶۲

ما شیشہ ایم و باک نداریم از شکست
شیشہ چو بیشتر شکند تیز تر شود

ہم شیشہ ہیں اور ہمیں ٹوٹ جانے سے خوف نہیں ہے
کہ شیشہ ٹوٹ جانے سے اور زیادہ تیز ہو جاتا ہے

وہ امامؑ جو بے پناہ خونریز دشمنوں کے سامنے کھلم کھلا فرماتے ہیں :

انا ابن من قتل صبراً و کفی بذالک فخراً[1]

میرے لئے اتنا ہی فخر کافی ہے کہ میں شہید کا بیٹا ہوں، وہ شہید جو جور و جفا سے شہید کیا گیا ہے۔

اگر ہم سرخ نباتات سے پوچھیں امام سجادؑ کون ہیں اور تم گلابی پھولو! ان کے بارے میں کیا کہتے ہو ؟ تو کہیں گے : جب ہم ان کی یاد میں محو ہوتے ہیں اور ان سے لو لگاتے ہیں، ان سے توسل کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں :

در شجاعت شیر ربانیستی
در مروت خود کہ داند کیستی[2]

اپنی بحث اب ہم اس دعا کے ایک جملہ پر ختم کرتے ہیں جو کہ علامہ نوری مرحوم نے صحیفۂ رابعہ سجادیہ میں امام زین العابدینؑ سے نقل کی ہے اور یہ بہترین اختتام ہے :

---

[1] بحار الانوار ج ۴۵ ص ۱۰۸ و ص ۱۱۳

[2] یہ شعر مولوی نے حضرت علیؑ کی شان میں کہا ہے لیکن ہم نے یہاں حضرت علی ابن الحسین کیلئے استعمال کیا ہے۔

اے اللہ مجھے ان لوگوں میں قرار دے جو کہ تیرے دین کی نصرت کے لئے اٹھتے ہیں اور تیرے دین کے اقدار سے دفاع کی خاطر ایک صف میں کھڑے ہو کر تیرے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں، ایسے مجاہد کہ جن کی تو نے اپنی کتاب قرآن، میں اس طرح تعریف بیان کی ہے کانّھم بنیان مرصوص[1]

اے اللہ مجھے ان لوگوں میں قرار دے کہ جو تیرے نزدیک تمام مخلوقات سے زیادہ محبوب ہیں مجھے یہ توفیق مرحمت فرما کہ میں مشرکین، ناکثین، قاسطین، مارقین، فاسقین اور کافرین کا خون بہاؤں۔[2]

من صبح پید ساجد نیم
من تشنۂ خون مشرکنیم
میں صبح کے وقت سجدہ ریز ہوں
میں مشرکوں کے خون کا پیاسا ہوں

مرجع مجتہدین

محدث نوری کا ایک اہم کارنامہ روائی دائرۃ المعارف کا ایک دورہ بنام "مستدرک الوسائل مستنبط المسائل" ہے کہ جس میں چودہ معصومین[ع] سے

---

[1] سورہ صف/۴ [2] صحیفۂ رابعہ سجادیہ ص۹۱ و ص۹۲

۲۳,۰۰۰ احادیث جمع کی ہیں[1]۔ ۲/۳ احادیث احکام[2] سے متعلق ہیں اور باقی کتاب علم اور حدیث شناسی کے علم پر مشتمل ہے۔ واضح رہے یہ حصہ خاتمہ مستدرک کے عنوان سے مشہور ہے۔

یہ گراں قدر کتاب، جو کہ محدث نوری، پیکر تحقیق کی ایک عمر کی تلاش و کوشش کا نتیجہ ہے، وسائل الشیعہ کی ترتیب پر لکھی گئی ہے۔ مؤلف نے ان روایات کو تلاش کر کے ان کی مناسب جگہ پر رکھا ہے کہ جن تک شیخ حر عاملی صاحب وسائل الشیعہ کی دست رس نہیں ہوئی تھی۔ یا دوسرے وجوہ کی بنا پر وسائل میں ان کا ذکر نہیں کر سکے تھے۔

فعال و محقق محدث نوری نے اس مقدس و طاقت فرسا کام کو تھکے اور مایوس ہوئے بغیر جاری رکھا یہاں تک ایسا کام کر دیا کہ جس پر کام کیا جانا چاہیے۔

معارف اسلامی کے نیلگوں آسمان پر مستدرک ایسی کہکشاں ہے کہ جو بیس ہزار سے زیادہ درخشاں ستاروں کو مزید منور کرے گی اور انھیں خاص جلوے عطا کرے گی۔ مستدرک شیعہ مراجع کا مرجع و ماویٰ اور نیک فکر مجتہدین کا مدرک ہے، کوئی فقیہ بھی اس سے بے نیاز نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔ عظیم کتاب شناس شیخ بزرگ تہرانی لکھتے ہیں:

---

[1] تصحیح کے بعد مستدرک کا جو نیا ایڈیشن چھپا ہے اس میں ۲۲۱۹۲ احادیث ہیں نفس الرحمٰن ص۱۰

[2] مستدرک الوسائل کی احکام سے متعلق احادیث کے بارے میں حوزہ علمیہ قم کے چند علماء نے بڑی جانفشانی سے تحقیق کی ہے جو کہ مؤسسۂ اہل بیتؑ نے ۱۸ جلدوں پر شائع کی ہے۔ کہا جاتا ہے خاتمہ کی تحقیق جاری ہے۔

"ایک روز میں صاحب کفایہ، آخوند خراسانی کے درس میں حاضر تھا
بحث اس موضوع پر تھی کہ مخصص کی تحقیق و تفتیش سے قبل عام پر
عمل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آخوند نے فرمایا: کوئی فقیہ فحص و تحقیق
سے مستدرک الوسائل کے مطالعہ کے بغیر بے نیاز نہیں ہو سکتا
ہے اور خود آخوند بھی یہی کام کرتے تھے۔"[1]

نیز فرماتے ہیں: "تمام متأخر فقہا و مجتہدین اس پر کاربند تھے"[2] اور دوسرے ثبوت کے لئے آیت اللہ شیخ الشریعت اصفہانی جو کہ اس زمانہ کے شیعہ مراجع کی صف اوّل میں تھے، کے عمل کو پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

لیکن ہمارے شیخ الشریعت اصفہانی، ان لوگوں میں سے ہیں جو کہ
مستدرک اور اس کے مولف کے بارے میں غلو کرتے تھے۔ میں
نے ایک روز معلوم کیا، استاد! تدریس میں آپ کا مصدر و
مدرک کیا ہے۔ کس کتاب سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں؟

جواب دیا:

"ہم سب نوریؒ کے خوشہ چیں ہیں یعنی دنیائے احادیث
واخبار میں نوریؒ نے جو بساط بچھائی ہے اور جس کا نام مستدرک
رکھا ہے۔ اسی سے رجوع کرتے ہیں۔"[3]

---

[1] نقباء البشر ج ۲ ص ۵۵۳

[2] ″ ″ ″ ص ۵۵۴ [3] نقباء البشر ج ۲ ص ۵۵۳ و ص ۵۵۴

مرحوم آقا بزرگ ایسے ہی لکھتے ہیں :

"ہمارے شیخ بزرگوار میرزا محمد تقی شیرازی کی اور دوسرے فقہا کی روش کی بھی یہی تھی۔ یعنی اجتہاد و فتوے کے سلسلہ میں وہ بھی مستدرک کی طرف رجوع کرنے کو اپنے اوپر لازم سمجھتے تھے[1]"

آیت اللہ شیخ عباس کاشف الغطا اپنے پرمغز اشعار میں مستدرک اور اس کے مؤلف محترم کا بہت ہی دلچسپ انداز میں تعارف کراتے ہیں۔ ہم یہاں ان کے چند ابتدائی اشعار کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں اور بعد میں اس عظیم دانشور کے اشعار کو نقل کریں گے۔ تاکہ قارئین کسی حد تک مستدرک اور اس کے مؤلف سے آشنا ہو جائیں :

۱۔ صاحب وسائل حر (عاملیؒ) نے حق کہا، ان کے پیدا کرنے والے کی حمد و سپاس لیکن دور اندیش لوگوں کے لئے وسائل حر عاملی سخت تھی۔

۲۔ یہاں تک کہ ستارۂ نوری نے چمکنا شروع کیا اور دیکھنے والوں کی آنکھیں کھول دیں، گویا کہ دوسری وسائل درخشاں ہو گئی ہے۔

۳۔ نوریؒ نے وہ بہت سی معتبر اسناد والی نصوص دیکھیں کہ جو

---

[1] نقباء البشر ج ۲ ص ۵۵۴ ، نیز مکارم الآثار ج ۵ ص ۱۴۷

شیخ حر عاملی سے مخفی رہ گئی تھیں۔

۴۔ نوریؒ کے علاوہ بہت سے لوگ مدعی تھے جو اضح نص و دلیل کو ہی پہچانتے تھے اور ان کے بھی صرف نام ہی یاد تھے اور بس

۵۔ اگر نوریؒ کی تحقیق اور ان کی تلاش کردہ حدیثوں کو شیخ حر عاملی دیکھتے تو خوشی سے اچھل پڑتے اور کہتے شاباش آپ نے کام مکمل کر دیا۔

۶۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے بلندی حاصل کرنے کے لئے آپ نے کتنی جانفشانی کی ہے آپ نے اس راہ میں خون پسینہ ایک کر کے وہ کام کر دیا ہے کہ جس کا ثمرہ رہتی دنیا تک رہے گا۔

۷۔ دوسروں سے مخفی رہ جانے والی احادیث کی تلاش میں پوری عمر صرف کر دی اور سیکڑوں سال کے پردوں کو چاک کر کے ہمارے لئے روشنی فراہم کر دی۔

۸۔ یہ وہ بلندیاں ہیں جو کہ خداوند کریم نے حسین (نوریؒ) سے مخصوص کی تھیں۔ پس آپ کو یہ کہنے کا حق ہے کہ دیکھوں میری برابری کون کرتا ہے۔

۹۔ آیت سوال اور آیت و الراسخون کو آپ پڑھیں تو حسین نوریؒ کو ان کے معنی سمجھیں۔

۱۰۔ آپ کے ہاتھ نے صرف حکمت ہی کو تحریر کیا ہے ان حکمتوں کو

جن کی آپ نے اہل بیت سے روایت کی ہے، ان اہل بیت سے جن پر خدا الہام کرتا ہے۔

تقریظ

لآیة الله الشیخ عباس آل کاشف الغطاء

بسم الله الرحمن الرحیم

١ ـ وسائل الحرِّ أعیَتْ مَـن یُـباریها
لله أقـــلامُه قـــد جـلَّ بـاریها

٢ ـ حتی بدا الکوکبُ النوريُّ متّضحاً
فأبـصرَ الطـرفُ مـنه مـا یساویها

٣ ـ مستدرِکاً لنصوص غابَ أکـثرُها
عـنِ الوسـائل تـزهو بـاسم راویـها

٤ ـ و مُدَّعِینَ سواه قـطُّ مـا عـرفوا
نـصّاً ولا حـفَظوا إلاّ أسـامیها

٥ ـ فلَو رأیٰ الحرُّ ما استدرکته لزهـا
و قـال أحسـنتَ قـد تـمَّت مبانیها

٦ ـ فیا لَك الخیرُ کم تسعیٰ لنیْلِ عُـلاً
بـبذلِ نـفسٍ فـما خـابت مسـاعیها

٧ ـ ما زلت تبرز أخباراً و قد خَـفیت
حـتی کشـفت لنـا مسـتور خـافیها

٨ ـ تلك المکارمُ قـدخصَّ الکـریمُ بها
کفَّ الحسین فـقلْ لي مَـن یـجاریها

٩ ـ آيُ السـؤال و آيُ الراسـخون إذا
تـسلوتَها فـحسینٌ مِـن مـعانیها

١٠ ـ أنا ملَّ لك ما خطّتْ سویٰ حِکَم
عن أهل بـیتٍ لهـا الرحـمٰن یُـوحیها

أخـرجتَ للـناس أخـباراً مـعنعنةً
أسـنـدتها لرواةٍ صـرّحت فـيها
عـن النـبي عـن الآلِ الكـرام مـعاً
عـن جـبرئيل عـن الرحـمن تـرويها
هذّبت تهذيبها الكـافي الفـقيه فـإنْ
بـحارُها التـطمت يـلقاك وافـيها
فـيا لك الأجـرُ مـا دامت مـصاحفها
تُـتلا وفـاز بَـنيل النـجح تـاليها

آفتاب

رمزِ قرآن از حسینؑ آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا افروختیم
شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت
سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز (علامہ اقبالؔ)

قرآن کے رموز اور اسرار ہم نے حسینؑ سے سیکھے ہیں۔
ان کے جذبۂ آتشین سے ہم نے بہت سے شعلے روشن کئے ہیں۔
شام کی فر اور بغداد کی شوکت ختم ہو ئی۔
غرناطہ کی سطوت و عظمت بھی ذہن سے محو ہو گئی۔
ان کے مضراب سے ابھی تک ہمارے تار میں لرزش ہے۔
ان کی تکبیر سے ابھی تک ہمارا ایمان تازہ ہے۔

امام حسینؑ اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے ، حسین کا ذکر و فکر ، حدیث شجاعت کے ساتھ صاف خون مکتب تشیع کی رگ رگ میں دوڑ رہا ہے ۔ آگاہ شیعوں کا دل سید الشہداء کی حیات بخش یاد سے آباد ہے اور آپ کے عشق سے زندہ ہے

اسلامی انقلاب کی برکت سے ایران آج جوان مردوں کا وطن بن گیا ہے ۔ ہر شخص ہر چیز سے زیادہ حسینؑ و کربلا کا رہین منت ہے اگر امام حسینؑ نہ ہوتے تو یہ انقلاب بھی نہ ہوتا ۔ اگر سنہ ۶۱ ھ ق کی کربلا نہ ہوتی تو کسی بھی کربلا کا وجود نہ ہوتا ۔ امام خمینیؒ کے بقول :

"ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب امام حسینؑ و کربلا کا عطیہ ہے ۔"

مگر افسوس صد افسوس کہ جاہل دوست کہ جس سے عقل مند دشمن بہتر ہے ، اور ظلم پیشہ دشمن واقعات عاشورا میں تحریف کرنے سے باز نہیں آتے ہیں ۔ کتنے ہی لوگ مجلس و نوحہ خوانی کے عنوان کو بڑا اسجا کے پیش کرتے ہیں لیکن نہ وہ عارفانہ عشق کے حامل ہوتے ہیں اور نہ عاقلانہ آگہی کے ۔

لکہ ابری کہ بود ز آب تہی
کے تواند کہ کند آب دہی

جن بادلوں میں پانی نہ ہو وہ کیا پانی برسا سکیں گے ۔

آہ ! زمانۂ قدیم میں ایسا ہی تھا اور آج بھی ایسا ہی ہے ۔ آج بھی اسلام کا سب سے بڑا المیہ تحریف عاشورا ہے ۔ حکیم فرزانہ استاد محمد رضا حکیمی اس رنج کن المیہ پر اس طرح اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں :-

کبھی روز عاشورا جیسی عزاداری سے بھی غلط فائدہ اٹھایا

جاتا ہے اور یہاں عاشورا خود ایک المیہ بن جاتا ہے اور عاشورا
کے لئے ایک اور عاشورا کی ضرورت ہے[۱]۔"

خوش قسمتی سے ایسے بیدار مغز لوگ تھے اور ہیں کہ جو مبارزہ شجاعت کے پاس بان ہیں، سو سال قبل محدث نوری رح ایک آفتاب کی طرح جوش میں آتے ہیں اور اس جانگداز مصیبت پر گریہ کرتے ہیں اور جرأت کے ساتھ آواز بلند کرتے ہیں اور اس آواز کو "لولو و مرجان ذاکر کے لئے شرط اول و دوم" نامی کتاب کی صورت میں پورے شیعہ معاشرے میں پہنچاتے ہیں۔

اس کتاب مستطاب کے حسن سے اس کے مولف کی روشن فکری آئینہ دار ہوتی ہے۔غیرت و شجاعت کا یہ عالم ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کو ملاحظہ کرنا ضروری ہے۔

اس گوہر آبدار میں محدث نوری رح بیشتر مفکرین میں جرأت کے دھنی ہیں، غیرت سے بے قابو ہیں۔کبھی بہت زیادہ مضطرب ہو جاتے ہیں۔ میدان تالیف کے شاہ سوار تحقیق کے تند سوار اس ہمت و جرأت کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں کہ کجروی اختیار کرنے والوں سے قطعی ہراس محسوس نہیں کرتے ہیں۔

مرنے پر تیار ہیں لیکن عاشورہ کے نام پر عاشورہ کشی کو نہیں دیکھ سکتے۔ وہ آستین اٹھتے ہیں اور تحریف کرنے والوں کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں

---

[۱] جہتیہا ص۵۷

ڈٹ جاتے ہیں اور اس مقدس جہاد میں تن تنہا، ہزاروں تحریف کرنیوالوں کے مقابلہ میں فولاد بن جاتے ہیں۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر اور بے پناہ حمد و سپاس کہ تیسر پیشہ مفکرین اور بحر کتب کے غواص "لو لو و مرجان" نامی کتاب لکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور دروغ گو افراد کی بہانہ بازی کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دیگر علما نے بھی آپ کا تعاون کیا اور اس کتاب کو پیش کرتے رہے اور آپ کے بلند کئے ہوئے پرچم کو ہمیشہ لہراتے رہے ہیں۔

علامہ سید محسن امین عاملی راستہ کے بادل کی طرح آجاتے ہیں اور پوری شجاعت کے ساتھ، جو کہ علوی سادات کا خاصہ ہے "التنزیہ الاعمال الشیعہ" نامی کتاب لکھتے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب نوریؒ کا پرتو ہے کہ جس نے بہت سے لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا اور اس زمانہ کی دنیا کو ہلا دیا تھا۔[1]

آخر کار مفکر شہید استاد مرتضیٰ مطہریؒ اس بیدار کر دینے والے علم کو پوری جرأت و ہمت کے ساتھ اٹھاتے ہیں اور ماضی سے زیادہ بلند کرتے ہیں۔

آپ اس سرفراز علم کو جو کہ شجاعت حسینی کے نام سے لہرا رہا ہے

---

[1] اس سلسلے میں دائرۃ المعارف تشیع ج ۲ ص ۵۳۱ طبع اول تہران ۱۳۶۹ ھ ش ملاحظہ ہو۔

ہر جگہ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ مرتضیٰ مطہریؒ نے حماسۂ حسینی کی تین جلدوں میں "لولو مرجان" کی شرح کی ہے اور اس کو دلیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس خدمت سے دیدہ وروں کو نور امید عطا کیا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں اسی کتاب کے آخر میں دلو مختصر طور پر سہی لیکن کچھ چیزیں چند سبز برگ کے عنوان سے تحت قلم بند کریں گے۔

لولو مرجان سے ایک داستان

کرمان شاہ شہر میں ایک شخص اس زمانہ کے بڑے عالم آیت اللہ شیخ محمد علی صاحب[1] مقامع کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی:

"میں کئی راتوں سے مسلسل یہ خواب دیکھ رہا ہوں کہ امام حسینؑ کا گوشت اپنے دانتوں سے چبا رہا ہوں!!!

یہ سن کر مولانا گہری سوچ میں ڈوب گئے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھتے ہیں: "آپ ذاکر تو نہیں ہیں؟!"

کیوں میرے سید و سردار؟! میرا کام تو یہی ہے، ذاکری کرتا ہوں!!

مولانا نے فرمایا: "یا تو ذاکری چھوڑ دو! یا معتبر کتابوں سے پڑھا کرو ورنہ جو آپ نے خواب دیکھا ہے وہ یہی ہے۔" مولانا پہلے سے یہ نہیں جانتے تھے کہ سوال کرنے والا ذاکر ہے۔ اس سے قطعاً واقفیت نہیں تھی

---

[1] یہ بزرگوار استاد اکبر آیت اللہ وحید بہبہانی کے بیٹے ہیں۔

چہ جائیکہ یہ جانتے کہ وہ ذاکر ہے۔[1]

رائی کا پہاڑ

شعور جسم زنجیریست در راہ سبک روحان
کہ چوں خط نقش بند پائے رفتن نیست مضمون را

(بیدل دہلوی)

محدث نوری رح کی کتابوں کے درمیان ایک کتاب "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" بھی نظر آتی ہے ممکن ہے یہ نامانوس نام سن کر بعض لوگوں کا ذوق پسند نہ کرے اور وہ کہیں:

گفت آن یار کزو گشت سر دار بلند
جرمش این بود کہ اسرار ہویدا می کرد

(حافظ)

یا ممکن ہے کوئی آیت اللہ نوری رح کی تحریر کردہ مکمل کتاب کا مطالعہ نہ کرکے یہ فیصلہ کرے کہ:

کشتہ اند بس کہ زیاد است کفن نتوان کرد
مقتول اتنے زیادہ ہیں کہ کفن نہیں دیا جاسکتا

لیکن جو لوگ محدث نوری کو قریب سے جانتے تھے انہوں نے کچھ اور

---

1. لقاء البشر ج ۲ ص ۱۵۵، حاشیہ پر

ہی کہا ہے ۔ اور کچھ اور ہی بات لکھی ہے ۔ مثال کے طور پر جناب بزرگ تہرانی کو ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں :

"میں نے استاد کی آخری عمر میں خود انکی زبانی سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے کتاب کا نام رکھنے میں اشتباہ کیا ہے ۔ صحیح یہ تھا کہ میں اس کا نام " فصل الخطاب فی عدم تحریف الکتاب" رکھتا ۔ کیونکہ میں اس کتاب میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ جو قرآن آج دنیا بھر میں موجود ہے، اس کے تمام سورے ، جملے اور آیات وحی خدا ہیں اور ان میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے ۔ نہ کمی کے اعتبار سے اور نہ زیادتی کے لحاظ سے ۔

تحریف کسی بھی زمانہ میں واقع نہیں ہوئی ہے ۔ یہاں تک آج تواتر کے ساتھ ہمارے ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے ۔ ہر ایک شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے اور بے شک و تردید یہ کتاب خدا ہے ۔

لیکن میں جس طرح اپنا مقصد سمجھانا چاہتا تھا ویسے نہیں سمجھا سکا بلکہ غفلت کی وجہ سے اپنے مقصد کے برخلاف تصریح کی ہے[1] ۔ "

اس کتاب میں علامہ نوری مختلف راویوں ، اقوال اور اخبار جمع کرنا چاہتے

---

[1] انقباد البشر ج ۲ ص ۵۵ ، حاشیہ پر

تھے تاکہ محققین کو جمع شدہ مواد ایک جگہ دست یاب ہو جائے لیکن ہوا وہ جو موصوف نہیں چاہتے تھے۔ دشمنوں نے اسے اور زیادہ ہوا دی اور اس کتاب کو عثمان کے کرتے کی طرح رنگ کر خوب مطلب براری کی۔

خلاصہ، خدا آپ کو برا دن نہ دکھائے، لوگوں نے ذرہ کو اونچا پہاڑ بنا دیا کہ ہر دیکھنے والا سر اٹھا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہے۔ دیکھنے سے پہلے ہی اس کے سر میں درد ہو جائے اور وہ گر پڑے اس وقت بد سے بدتر ہو جاتا ہے۔

بدقسمتی یا خوش قسمتی سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بہت سے بڑے لوگوں نے نوریؒ اور ان کے ہم عصروں کو اس کتاب کی بنا پر برا بھلا کہا ہے۔ اس معمہ کو وہ نکتہ حل کر سکتا ہے جس کی طرف صاحب مکارم الآثار نے اشارہ کیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

"محدث نوریؒ ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ جس شخص کے پاس میری کتاب فصل الخطاب ہے اس کے پاس میری وہ کتاب بھی ہونا چاہئے جو میں نے فصل الخطاب کے اشتباہات کے بارے میں لکھی ہے کیونکہ اس سے وہ کتاب کامل ہوتی ہے اس کے بغیر ناقص ہے[1]۔"

اگر آپ اس حقیر کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو میرے پاس اس کے جواب میں ایک ہی بات ہے اور وہ یہ کہ: زمانہ قدیم سے لوگ کہتے چلے آئے

---

[1] مکارم الآثار ج ۵ ص ۱۴۶۵

ہیں: بزرگوں سے اس سے بڑے بڑے اشتباہات بھی ہوئے ہیں اور بڑے پہاڑوں میں اس سے بڑے درّے بھی ہیں۔

کیا معلم اوّل ارسطو اس بزرگی کے باوجود غلامی کے نظام کو قبول نہیں کرتے ہیں؟

کیا امام غزالی سے یزید ایسے ظالم و جابر کے بارے میں غلطی نہیں ہوئی ہے؟ اور ایسے ہی سیکڑوں اشتباہات ہیں۔

کیا اس سے بہت پہلے اس موضوع کے سلسلہ میں علمائے عامہ سے بہت بڑی غلطی نہیں ہوئی تھی؟

خود علامہ نوری نے بھی اس محال احتمال پر چند دلیلیں ذکر کی ہیں ان میں سے اکثر طرقِ غیر شیعہ سے نقل کی ہیں اور مکتبِ تشیع سے ان کا کوئی ربط نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔

خود علّامہ نوری نے بھی اس احتمال کا سراغ لگایا تھا اور بافرض محال اگر انھیں اس سلسلہ میں کوئی شک تھا بھی تو بعد میں وہ یقین میں بدل گیا تھا اور وہ اپنے پہلے نظریہ سے منصرف ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں استاد حسن زادہ عاملی فرماتے ہیں:

> کہا جاتا ہے کہ یہ محدث جو کہ مستدرک الوسائل اور بہت سے علوم نقلی کی کتابوں کے مولف ہیں، تحریف ایسے بے بنیاد نظریہ سے منصرف ہو گئے تھے۔[۱]

۱۔ قرآن مجید میں ہرگز تحریف نہیں ہوئی ہے، ترجمہ فصل الخطاب فی عدم تحریف کتاب ربّ الارباب از استاد حسن زادہ عاملی ص۲۹

اسی طرح حجۃ الاسلام رسول جعفریان نے شیخ آقا بزرگ تہرانی سے نقل کیا ہے کہ محدث نے ان احادیث کی توقیع نہیں کی ہے کہ جن سے تحریف سمجھ میں آتی ہے بلکہ ان کی تردید کی ہے۔ ان کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

"شیخ آقا بزرگ تہرانی فرماتے ہیں: ہم گواہ ہیں کہ انہوں (محدث) نے ان احادیث کی توقیع نہیں کی ہے کہ جن سے تحریف سمجھ میں آتی ہے بلکہ ایسی احادیث کو خبر واحد قرار دیا ہے کہ جن سے کسی چیز کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے انھیں دیوار مار دینا چاہیئے۔[1]"

مختصر یہ کہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مجید پیغمبر اسلام کے زمانہ میں آپ ہی کے حکم سے آپ کی نگرانی میں جمع ہو گیا تھا اور آج تک وہی قرآن اسی صورت میں باقی ہے اور قیامت تک ایسے ہی رہے گا۔

قرآن سے ابھی تک ایک حرف بھی کم نہیں ہوا ہے محال ہے کہ قیامت تک کوئی حرف کم ہو۔

مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق
گر بمیری تو نمیرد این سبق

من کتاب و معجزت را حافظم
بیش و کم کن راز قرآن رافضم

من ترا اندر دو عالم رافعم
طاعنان را از حدیثت دافعم

[1] "افسانۂ تحریف قرآن" تالیف رسول جعفریان۔ ترجمہ محمود شریفی ص ۱۳۲

کس نتابد بیش و کم کردن دراو
تو، به از من، حافظی دیگر مجو

رونقت را روز روز افزون کنم
نام تو بر زرّ و بر نقره زنم

منبر و محراب سازم بهر تو
در محبّت قهر من شد قهر تو

من مناره پر کنم آفاق را
کور گردانم دو چشم عاق را

چاکرانت شهرها گیرند و جاه
دین تو گیرد ز ماهی تا به ماه

تا قیامت باقیش داریم ما
تو مترس از نسخ دین ای مصطفیٰ[1]

آیتِ عذاب

"فصل الخطاب" ایک عذاب کی آیت تھی جو آسمانِ افسانہ سے نازل ہوئی اور خامۂ خیال سے لکھی گئی ایک کتاب ہے۔

ابتدا ہی سے نوریؒ کے بعض ہم عصروں اور شاگردوں نے یہاں تک

---

[1] از مولانا جلال الدین محمد مولوی

خود نوری نے فصل الخطاب کا جواب و رد لکھی۔ اس کی رد میں لکھی جانے والی کتابوں کے نام لکھنے سے قبل ہم یہ بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ صاحب فصل الخطاب سے قبل اخباریوں کے سرخیل نعمت اللہ جزائری (۱۰۵۰ – ۱۱۱۲ ق) نے پراگندہ وعجیب وغریب روایات کی بنا پر اور اگلے لوگوں کی داستانوں کی احادیث کی بنیاد پر انوار نعمانیہ اور رسالہ منبع الحیات میں ایسی چیزیں جمع کی تھیں۔ تحریف کے سلسلہ میں یہ اصلی سرچشمہ سمجھی جاتی ہے اور مرحوم نوری نے اسی پر اعتماد کیا تھا اور اس امر میں جزائری ان کے پیشوا شمار ہوتے ہیں[۱]

یہ نظریہ نوری سے قبل بھی موجود تھا ہاں محدث نوریؒ صاحب مستدرک الوسائل جو کہ شیعہ امامیہ کی معتبر احادیث کا مجموعہ ہے، نے صرف یہ کام کیا ہے کہ انہوں نے اس خیالی موضوع کو کتاب کی شکل دیدی اور خود ملامت بدکلامی کی آماجگاہ بن گئے۔

فصل الخطاب کی رد میں سب سے پہلے محدث نوری کے ہمعصر محمود بن ابی القاسم المعروف تہرانی (۱۳۲۳ق) نے کشف الارتیاب فی عدم تحریف الکتاب لکھی۔ یہ کتاب تقریبًا ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ایسے برہان قاطع اور محکم دلائل سے آراستہ ہے کہ محدث نوری کو اپنے بعض نظریات سے پیچھے ہٹنا پڑا۔

فصل الخطاب کی رد میں دوسری کتاب خود محدث نوریؒ نے فارسی

---

[۱] فصلنامہ میراث جاوید س اول ش دوم ص۱۹ منقول از صیانت القرآن ص۸۶ و ص۸۷

میں لکھی جو کہ فصل الخطات کے بعض ایڈیشنوں کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ فصل الخطا کی رد میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں چند یہ ہیں :

۱۔ صیانت القرآن من التحریف، مولفہ استاد ہادی معرفت۔

۲۔ التحقیق فی نفی التحریف عن القرآن الشریف، مولفہ حجۃ الاسلام سید علی حسینی میلانی۔

۳۔ اکذوبہ تحریف القرآن ۔ مؤلفہ استاد رسول جعفریان ۔

۴۔ فصل الخطاب فی عدم تحریف کتاب رب الارباب ، مولفہ استاد حسن زادہ آملی ۔

گزشتہ زمانوں میں بھی شیعہ علماء صراحت کے ساتھ قرآن سے ہر قسم کی تحریف کی نفی کرتے رہے ہیں۔ اگر ہم ان سب کے نام لکھیں تو کتاب کا حجم بڑھ جائے گا۔ لہٰذا یہاں چند بزرگوں کے اسماء ہی سپرد قلم کئے جاتے ہیں کہ جنہوں نے عدم تحریف کو ثابت کیا ہے :

۱۔ شیخ صدوقؒ نے ۱۰۲۳ سال قبل۔

۲۔ شیخ مفیدؒ نے ایک ہزار سال قبل۔

۳۔ شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے (۴۳۶ھ ق) میں۔

۴۔ شیخ الطائفہ نے ۴۲۶ھ ق تفسیر تبیان میں۔

۵۔ امین الاسلام طبرسی نے (۵۴۸ھ ق میں) مجمع البیان میں۔

۶۔ سید ابن طاؤس نے سعد السعود میں۔

۷۔ علامہ حلیؒ۔

۸۔ محقق اردبیلی۔
۹۔ شہید قاضی نور اللہ شوشتری۔
۱۰۔ ملا محسن فیض کاشانی۔
۱۱۔ شیخ بہائی۔
۱۲۔ شیخ حر عاملی، صاحب وسائل۔
۱۳۔ شیخ جعفر کاشف الغطا۔
۱۴۔ علامہ محمد جواد بلاغی۔
۱۵۔ سید شرف الدین۔
۱۶۔ آیت اللہ میرزا ابو الحسن شعرانی۔
۱۷۔ سید محسن امین عاملی، صاحب اعیان الشیعہ۔
۱۸۔ محدث نوری کے شاگرد و مرید، محمد حسین کاشف الغطا۔
۱۹۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائی، صاحب تفسیر المیزان۔
۲۰۔ آیت اللہ بروجردیؒ۔
۲۱۔ آیت اللہ حکیمؒ۔
۲۲۔ آیت اللہ سید محمد ہادی میلانیؒ۔
۲۳۔ امام خمینیؒ۔
۲۴۔ آیت اللہ خوئیؒ۔
۲۵۔ آیت اللہ حسن زادہ آملی۔
۲۶۔ آیت اللہ گلپائیگانی۔

بہت بڑا بہتان

یہ بات آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ محدث نوری اس بات کی طرف متوجہ ہو گئے تھے کہ ان سے بہت بڑا اشتباہ ہوا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ایک رسالہ لکھ کر اپنی کتاب کی خود رد کی۔ لیکن کیا کیا جائے کہ رب ورحیم خدا اپنے بندے کی خطا سے درگزر کرتا ہے اور بعض خدا کے بندے درگزر نہیں کرتے مثال مشہور ہے کہ شہر کا دروازہ بند کیا جا سکتا ہے لیکن لوگوں کا منہ بند نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ تو محدث نوری کا نام سنتے ہی فیصلہ فرما دیتے ہیں اور اور کہہ دیتے ہیں، جی ہاں وہ تحریف قرآن کے قائل تھے۔ حالانکہ محدث نوری اول تو تحریف کے قائل نہیں تھے بلکہ صرف تنقیص کا احتمال دیا تھا، ثانیاً اعتقاد نہیں تھا بلکہ احتمال تھا۔ ثالثاً اس احتمال کو بھی انہوں نے رد کر دیا تھا۔ رابعاً ایک رسالہ لکھ کر خود اپنی کتاب کی رد کر دی تھی اور پہلے احتمال کو رد کر دیا تھا۔ پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ محدث نوری تحریف قرآن کے قائل تھے۔

اس سے بدتر تو یہ ہے کہ نادان لوگ فصل الخطاب کو پورے شیعوں کا عقیدہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں سارے شیعہ تحریف کے معتقد ہیں فصل الخطاب کو اس رد کے بغیر جو کہ محدث نوری نے لکھی تھی، ایک تحریف کا افسانہ سمجھ کر مختلف زبانوں میں ہزاروں کی تعداد میں شائع کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ باور کرا سکیں کہ شیعہ تحریف کے معتقد ہیں' اور

اس طرح وہ ملت اسلامیہ کے درمیان بغض و نفاق کا بیج بوتے ہیں۔ ہمخیال دشمن بھی پس پردہ سے اس کو ہوا دے رہے ہیں تا کہ اپنا مقصد پورا کر سکیں۔ جی ہاں استکبار اپنی اس گندی سیاست، کہ تفرقہ ڈالو! حکومت کرو؛ پر عمل پیرا ہے۔ مختصر یہ کہ نوریؒ کو تحریف کا معتقد سمجھنا اس مرد بزرگ پر بہتان لگانا ہے۔ اور ملت شیعہ پر تحریف کی تہمت لگانا بجائے خود حقائق میں تحریف ہے اور ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ بحث کے آخر میں علامہ اقبال کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:

نقش قرآن چون کہ در عالم نشست
نقشہ ہای پاپ و کاہن را شکست
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
این کتابی نیست چیزی دیگر است
چون کہ در جان رفت جان دیگر شود
جان کہ دیگر شد جہان دیگر شود
با مسلمان گفت: جان بر کف بنہ
ہر چہ از حاجت فزون داری بدہ
آن کتاب زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرار تکوینِ حیات
بی ثبات از قوتش گیرد ثبات

نوع انسان را پیامِ آخرین
حامل او رحمۃً للعالمین
رهزنان از حفظ او رهبر شدند
از کتابی صاحب دفتر شدند
دشت پیمایان ز تاب یک چراغ
صد تجلّی از علوم اندر دماغ
تا دلش از گرمیِ قرآن تپید
موجِ بی تابش چو گوهر آرمید
گر تو می خواهی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن
از یک آئینی مسلمان زنده است
پیکرِ ملّت ز قرآن زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللّٰہ اوست
چون گہر در رشتۂ او سفتہ شو
ورنہ مانند غبار آشفتہ شو

جب سے قرآن کا نقش عالم پر بیٹھا ہے اس وقت سے پوپ وکاہن کے ہتھکنڈے ناکام ہو گئے ہیں۔
جو بات دل میں مضمر ہے میں اسے صاف کہتا ہوں کہ یہ کتاب

نہیں بلکہ کوئی اور چیز ہے ۔

جب یہ دل میں اترتی ہے تو دل منقلب ہو جاتا ہے اور

دل بدل جاتا ہے تو دنیا ہی بدل جاتی ہے ۔

مسلمان سے کہہ دو کہ ہتھیلی پر جان رکھے اور جو حاجت سے

زیادہ ہے اسے دیدے ۔

قرآن حکیم وہ زندہ کتاب ہے کہ جس کی حکمت محکم و

لازوال ہے ۔

تکوین حیات کے اسرار کا نسخہ ہے ۔ اس کی قوت و کرشمہ

سے بے ثبات کو بھی ثبات ملتا ہے ۔

نوع انسانی کے لئے یہ آخری پیام ہے ، اس کے لانے

والے رحمۃً للعالمین ہیں ۔

اس کی حفاظت سے راہ زن رہبر بن گئے ہیں ایک کتاب

سے بہت سی کتابوں کے مالک بن گئے ہیں ۔

ایک چراغ کی روشنی میں صحرا طے کرنے والے کے دماغ

کے اندر علوم کی سیکڑوں تجلیاں ہیں ۔

تاکہ قرآن کی حرارت سے اس کے دل میں حرارت رہے

اس کی بے تابی کی موج گوہر کی طرح آرام کرے ۔

اگر تم مسلمان کی زندگی جینا چاہتے ہو تو وہ ممکن نہیں ہے

مگر قرآن کے ساتھ جینے میں ۔

مسلمانوں کا ایک آئین زندہ ہے۔ ملت کا پیکر قرآن سے زندہ ہے۔
ہم سب خاک ہیں وہ دل آگاہ ہے، اس کو مضبوطی سے تھام لو کہ حبل اللہ ہے۔
گوہر کی طرح اس کی سلک میں اتر جا ورنہ غبار کی طرح پراگندہ ہو جا۔

ذکرِ یار

علامۂ نوری کے کچھ قلمی آثار حضرت مہدی ارواح العالمین لتراب مقدمہ الفداہ کے ذکر سے مخصوص ہیں جیسے "کشف الاستار عن وجہ الغائب عن الابصار"، "نجم الثاقب"، "جنة المأوی"۔ اپنی آخری کتاب کے مقدمہ میں اپنے مولا و آقا حضرت حجت عج کو بہت ہی لطیف و جمیل الفاظ میں یاد کرتے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے آئینہ دل کو جلا و صفا ملتی ہے چنانچہ ہم اس امید کے ساتھ ان کلمات کو یہاں نقل کر رہے ہیں:

"... عنقاء قاف القدم، القائم فوق مرقاة الہمم، الاسم الاعظم الالٰھی، الحاوی للعلم الغیر المتناھی، قطب رحی الوجود مرکز دائرة الشھود، کمال النشاة و منشا الکمال، جمال الجمع و مجمع الجمال

المترشح بالانوار الالهية، المربی تحت استار الربوبيه، مطلع الانوار المصطفوية ومنبع الاسرار المرتضوية، ناموس الله اکبر ، وغاية نوع البشر الی الوقت وصربی الزمان، الذی هو للحق امین و للخلق امان، ناظم المناظم الحجة القائم ...[1]"

ازلیت کا عنقائے بلند آشیاں، فکر ہمت کی حدوں سے دور آسمان سیر عقابِ خدا کا اسم اعظم، لامتناہی علم کا خزانہ، محور وجود کائنات، شہود وحق پرستی کا نقطۂ پرکار، دنیا و دنیا والوں کو کمال عطا کرنے والا، حسین و آراستہ محفل کی رونق، انور سبحانی کا نیر تاباں، غیب ربانی کے سراپردوں کا پروردہ، مصطفوی آفتاب ہدایت کا مشرق، مرتضوی اسرار و ولایت کا مطلع، راز الٰہی، بشر کی نوع کا رب، زمین و زمان کا مالک، مربی دوران، خالق منان کا امین، دنیا والوں کے لئے باعث امان، نظم برقرار رکھنے والا، حجت حق قائم المنتظر۔

---

[1] "جنة المأوی"۔ دیباچہ "بحار الانوار" ج ۵۳، ص ۲۰۰

فصلِ سوّم

نوری رح کے شاگرد و راوی

نوریوں کا سلسلہ

بزرگ علماء میں سے بہت سے علماء کو نوری کی شاگردی کا افتخار حاصل ہوا ہے اور وہ ان کے انفاس قدسی سے بہرہ مند ہوئے اور ان کے خرمن علمی سے خوشہ چینی کی اور ان کے دریائے علم سے اپنی علمی تشنگی کو بجھایا ہے ہم ان میں سے بعض بزرگوں[1] کے اسماء سے اپنی کتاب کو زینت دے رہے ہیں :

۱۔ شیخ آقا بزرگ تہرانی ۔ کتاب شناسی کے دائرۃ المعارف "الذریعہ" کے مولف ۔

---

[1] ان بزرگوں میں سے بعض کی سوانح حیات انشاء اللہ عنقریب شائع ہوں گی

۲۔ حاج شیخ عباس قمی، موثق محدّث صاحب مفاتیح الجنان۔
۳۔ مصلح مجاہد آیت اللہ شیخ محمد حسین کاشف الغطا (۱۲۹۴-۱۳۷۳)[1]
۴۔ مشہور دانشور آیت اللہ سید عبدالحسین شرف الدین عاملی (۱۲۹۰-۱۳۷۷ق)
۵۔ شیخ اسماعیل اصفہانی۔
۶۔ شیخ مرتضیٰ بن محمد عاملی۔
۷۔ سید جمال الدین عاملی اصفہانی۔
۸۔ حاج شیخ محمد باقر بیرجندی (۱۲۷۶ — ۱۳۵۲) صاحب کبریت احمر۔
۹۔ حاج شیخ علی اکبر نہاوندی۔
۱۰۔ حاج شیخ علی زاہد قمی (۱۲۷۳- ۱۳۷۱ق)
۱۱۔ حاج شیخ محمد تقی قمی۔
۱۲۔ عارف واصل آیت اللہ میرزا جواد آقا ملکی تبریزی۔[2]
۱۳۔ حاج میرزا ابوالفضل تہرانی (متوفی ۱۳۱۷ق) المعروف بہ کلانتری نوری تہرانی، شفاء الصدور فی زیارت العاشور، امام خمینیؒ کی شریک حیات کے دادا اور مرحوم آیت اللہ حاج مرزا محمود ثقفی کے والد۔

---

[1] اس مرد مجاہد نے پچاس سال قبل ببانگ دہل فرمایا تھا: حکومتِ امریکہ خدا اور رسولؐ کی دشمن ہے انہوں نے ہی لرزہ براندام کر دینے والا "المثل العلیا فی الاسلام لا فی بحمدون" خط لکھ کر صیہونزم کو مزید رسوا کیا تھا۔
[2] نفس الرحمٰن ص۱۴، معارف الرجال ج ۱ ص۲۷۱، حماسہ حسینی ج ۱ ص۱۳

۱۴۔ شیخ جعفر نوری نجمی۔ یہ علم سے زیادہ عبادت میں مشغول رہتے تھے اور عزاداری امام حسینؑ کے سلسلہ میں علامہ نوری جن مجالس کا اہتمام کرتے تھے ان میں فعالیت کرتے تھے۔

۱۵۔ سید علم الهدیٰ نقوی کابلی متولد ۱۲۸۸ق صاحب دستور العمل للنوانی

۱۶۔ جناب مرزا محمد تہرانی (متولد ۱۲۸۱ق) آپ رجب علی تہرانی کے فرزند تھے۔

۱۷۔ شیخ مہدی نوری بن میرزا ہادی نوری، علامہ نوری کے بھتیجے تھے انہوں نے اپنے چچا سے رسائل و مکاسب اور دوسری درسی کتابیں پڑھی تھیں اور مرزا بزرگ شیرازی کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔

۱۸۔ شیخ جلیل محمد حسین آل کبہ (۱۲۶۹-۱۳۳۳)

۱۹۔ صدر الاسلام حاج مرزا علی اکبر ہمدانی المعروف بہ دبیر کہ جن کو ابو المکارم بھی کہتے ہیں۔[1]

۲۰۔ مرحوم حاج مرزا محمد ارباب قمی (۱۲۷۳–۱۳۴۱ق قم) آپ خطیب شہیر محمد تقی اشراقی کے والد اور شیخ عباس قمی کے معلم اول شمار ہوتے ہیں۔ طبع رواں اور ذوق سلیم کے مالک تھے ان کے مشہور قصاید میں سے ایک وہ ہے جو امام زمانہ سے توسل

---

[1] هدیۃ الرازی الامام المجدد الشیرازی و نیز ریحانۃ الادب۔

کے سلسلہ میں کہا تھا اس کا مطلع یہ ہے :

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظاری

بہ امیدی برسند امیدواران

کتنا اچھا ہو کہ انتظار کے بعد امیدوار اپنی امید میں کامیاب ہو جائیں۔

مشہور ہے کہ ان کے زیادہ تر اشعار شجاعانہ کربلا اور امام حسینؑ کے سلسلہ میں ہیں۔

ان کی جو کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہیں ان میں سے ایک اربعین حسینیہ یا چہل حدیث حسینی ہے جو کہ ۲۳۴ صفحات پر مشتمل ہے اور انتشارات اسوہ سے شائع ہوئی ہے۔ اسی کتاب میں جگہ جگہ اپنے استاد محدث نوری کو نہایت ہی احترام کے ساتھ یاد کیا ہے اور منجملہ حدیث اول کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"میں فقہاء اسلام اور مشائخ کے اس گروہ سے روایت کرتا ہوں کہ جن سے میرے سید و سردار، استاد اور نقل حدیث میں میرے معتمد سند، عامل، محدث کامل، موثق، ہر برائی سے مبرا و منزّہ حاج میرزا حسین نوری طبرسی قدس سرہ القدوسی[1] کرتے تھے۔

---

[1] اربعین حسینیہ ص۱۱

حدیث چہلم کی سند کے بارے میں اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :
موثق محدث عابد، زاہد، عالم عامل، آثار اہل بیت کو زندہ کرنے والے
حاج میرزا حسین نوری طبرسی قدس روحہ القدوسی[1]

۲۱- شیخ علی اکبر ہمدانی (۱۲۷۰ — ۱۳۲۵ ق) صاحب ناسخ التفاسیر[2]

مکتب تربیت میں

ہر آنکس زدانش برد توشہ ای
جہانی است بنشستہ در گوشہ ای

جن لوگوں کو علامہ نوری کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا ہے — اگرچہ ہم ان میں سے بیس سے زائد کا ذکر، ولو مختصر طور پر سہی کر چکے ہیں لیکن — ان میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے نوریؒ کے خرمن علم سے دوسروں سے زیادہ خوشہ چینی کی ہے۔

ان عظیم شخصیوں میں سے ہر ایک علم اقدار کے بحر بیکراں میں شناوری کے فن میں ماہر تھا اور ہر ایک نے بشریت کو ہزاروں گوہر علم و اخلاق عطا کئے ہیں، وہ سب علامہ نوری کے مکتب تربیت میں بڑے ہوئے تھے، اور اپنی بابرکت عمر کے آخری حصہ تک اس پر فخر مباہات کرتے رہے۔

---

[1] اربعین حسینیہ ص۱۱

[2] نقباء البشر ج ۴ ص۱۶۰۱

یہ عظیم دانشور جو کہ ہمیشہ سفر و حضر میں استناد کے استاد محدث نوری کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی مسیحائی کے آخری سانس تک ان سے جدا نہ ہوئے اور جہاں تک ہو سکا ان کے مکتب پر فیض سے کسب فیض کیا کرتے رہے۔

ہم نے اس حصہ میں نوری کے مکتب نور میں تربیت پانے والے چند اشخاص کا تعارف کرایا اور اب ان کا دلو مختصر سہی تذکرہ کرتے ہیں تاکہ ہم بشریت کی تاریخ تکامل کے ناموں سے، اچھی طرح زندگی گزارنے اور صحیح سالم طریقہ سے غور و فکر کرنے کا سلیقہ سیکھ جائیں۔

جان پرور است قصہ ارباب معرفت
رمزی برد بپرس حدیثی بیا بگو

(حافظ شیرازی)

حدیث اخلاص

مشہور صاحب قلم متقی و بافضیلت محدث، شیخ عباس قمی کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ شیعیان علیؑ کے گھروں میں سے شاید ہی کوئی ہی گھر ایسا ہو جس میں شیخ عباس قمی کی کوئی کتاب خصوصاً مفاتیح الجنان نہ ہو، یہ کتاب ہر جگہ قرآن کے سایہ میں قرآن کے ساتھ نظر آتی ہے حقیقت میں اس کی دعائیں قرآن صاعد ہیں۔ یہاں تک وہ پاک دل بوڑھی عورتیں جو پڑھنے اور لکھنے کی نعمت سے محروم ہیں وہ بھی مفاتیح الجنان کو پڑھتی ہیں اور اس کی بعض فصلیں تو ان کو زبانی یاد ہیں۔ (۱) حاشیہ صفحہ ۸۷ پر ملاحظہ ہو)

محدث قمی تہہرجہاد وا جتہاد قم میں ۱۲۹۴ھ کو پیدا ہوئے۔ چند سال تک قم ہی میں میرزا محمد ارباب ـــ جو کہ محدث نوری کے شاگرد تھے ـــ سے کسب فیض کیا اور علوم اسلامی حاصل کئے ۱۳۱۶ھ کو راہی نجف ہوئے تاکہ حوزۂ علمیہ نجف اشرف، جو کہ اس زمانہ میں دنیائے شیعیت کا عظیم حوزہ تھا، سے بہرہ مند ہوں۔

چونکہ آپ کو حدیث شناسی، علم رجال، تاریخ اور سیرت ائمہ معصومینؑ سے زیادہ شغف تھا، اس لئے اس زمانہ کے تمام دانشوروں کے درمیان سے علامہ نوری کا انتخاب کیا۔ گویا جن فضیلتوں کے حصول کے لئے ایک عمر کھپائی تھی اور جتنا زیادہ کوشش کرتے تھے اتنا ہی ماحصل کم ہوتا تھا۔ لیکن علامہ نوری میں اپنی مطلوبہ چیزیں مل گئیں اور ان کے شاگردوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے اور جب تک علامہ نوری حیات رہے۔ ان سے جدا نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ نوریؒ نے جان، جان آفرین کے سپرد کی اور ان کی روح سرائے خاکی سے عالم بقا کی طرف پرواز کر گئی اور محدّث قمی مرتے دم بھی ان کے سر بالیں موجود تھے۔

اس صدی کے عظیم کتاب شناس آقا بزرگ تہرانی کی تحریر کے مطابق، شیخ علی قمی جو کہ زہد میں یکتا اور محدث کے شاگرد اور قریبی اشخاص میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے ہم وطن شیخ عباس قمی کا اپنے استاد

لے محدث قمی کے سلسلہ میں لکھی گئی ایک کتاب کا نام ہے جس کو ادارۂ تحقیق باقر العلوم نے شائع کیا ہے۔

سے تعارف کرایا۔ محدث نوریؒ نے جب اس جوان طالب علم کے وجود میں اخلاص اور استعداد کو ملاحظہ کیا تو انھیں تقرب خدا اور خوشی کے تحت قبول کرلیا جیسے جیسے دن گزرتے جاتے تھے ویسے ویسے ان دونوں بزرگواروں کے درمیان محبت و انسیت بڑھتی جاتی تھی اور روابط میں، محدث نوری کے دوسرے شاگردوں کو اعتراف ہے کہ علامہ نوری محدث قمی کو دیگر طلبہ کی نسبت زیادہ چاہتے تھے۔ شیخ بزرگ تہرانی لکھتے ہیں :

"محدّث قمی اپنے استاد عالیقدر الحاج نوری کی توجہ، ان کے ملکات فاضلہ، نمایاں صفات، علم وفضل، ذاتی شائستگی اور بہترین استعداد کی بنا پر علم وعمل کے بلند ترین مقام پر پہنچے اور سایہ کی مانند ہر جگہ اپنے استاد کے ہمراہ رہے۔ نجف، کوفہ اور جہاں کہیں بھی وہ تشریف لے جاتے آپ ساتھ جاتے تھے اور شب و روز ان سے علمی وعملی استفادہ کرتے تھے۔

محدث قمی جس وقت نجف اشرف پہنچے تھے اس وقت کتاب کے لحاظ سے بہت تنگدستی میں مبتلا تھے لیکن مرزا حاج نوری سے ملحق ہونے کے بعد یہ مشکل حل ہوگئی اور ان کے بے نظیر اور بہترین کتب خانہ سے استفادہ کیا۔

محدث قمی نے اپنی کتاب میں استاد کا حق ادا کیا ہے اور کماحقہ ان کے احترام کو ملحوظ رکھا ہے۔ بہت کم شاگرد ہی اس طرح اپنے استاد کا حق ادا

کرتے ہیں[1]۔"

محدثِ اخلاص شیخ عباس قمی نے اپنی اکثر کتابوں میں استاد کا تذکرہ کیا ہے اور ہر موقع پر انھیں یاد کیا ہے خصوصاً "فوائد الرضویہ" اور "الکنی و القاب[2]" میں اپنے استاد کا ایک حد تک حق ادا کیا ہے۔ محدثِ اخلاص، اپنی کتاب "فوائد الرضویہ" میں اس طرح لکھتے ہیں:

"وہ نیک سرشت، تیز لکھنے والے اور خوش خط تھے، بہترین حافظہ کے مالک تھے، خود سازی میں مشغول رہتے تھے۔ اس وجہ سے اکثر احباب ان سے اعراض کرتے تھے زہد و عبادت میں بہت کوشاں رہتے تھے۔ نمازِ شب آنکی کبھی نہیں چھوٹی، خدائے بے نیاز سے رات بھر راز و نیاز میں مشغول رہتے تھے۔

وہ تمام اخلاقی فضائل و کمالات اور پسندیدہ صفات کے حامل تھے۔ ہر وہ علم حاصل کیا تھا جو ضروری تھا، علم حدیث و رجال اور آیات کے دقائق اور نکات احادیث کے سلسلہ میں آراء و اقوال پر اتنا احاطہ رکھتے تھے کہ عقلیں حیران رہ جاتی تھیں۔

---

[1] رک۔ حاج عباس قمی، مرد تقویٰ و فضیلت، علی دوانی ص۲۰، طبع تہران سنہ ۱۳۵۴ھ ش۔

[2] تحفۃ الاحباب میں بھی اسی طرح رقم طراز ہیں ص۱۰۸ تا ص۱۱۱ تہران سنہ ۱۳۷۰ھ ش

اپنی عمر کا ایک لحظہ بھی ضائع نہیں کیا اور اپنی بیش قیمت زندگی کو برباد نہیں ہونے دیتے تھے یا تالیف و تصنیف میں مشغول رہتے تھے یا تلاوت قرآن مجید اور ذکر و درود میں منہمک رہتے تھے۔[1]"

شیخ عباس قمیؒ نے سرخیلِ محدثین علامہ نوریؒ کے مکتب میں تربیت و ترقی پائی اور ایسے گرانقدر آثار چھوڑے ہیں کہ جن سے ہر ایک آسمانِ علم و ایمان سے درخشاں ستارہ کی طرح ضیاء پاشی کر رہا ہے اور دیدہ وروں کی آنکھوں کو نور عطا کر رہا ہے۔ محقق معاصر استاد علی دوانی نے محدث قمی کی جو سوانح حیات لکھی ہے اس میں انہوں نے محدّث قمی کی ستر کتابوں کے نام قلم بند کئے ہیں۔ ہم یہاں صرف اس ایک سنے ہوئے نکتہ پر اکتفا کرتے ہیں جو مفاتیح الجنان کے بارے میں ہے۔

شیرین و قابل سماعت داستان

مجھے یاد ہے کہ (۱۳۴۱ھ ش) میں وزیر اطلاعات کا معاون شہر خون و قیام قم آیا تھا اور حوزہ علمیہ قم کے طلبہ سے مدرسۂ عالیہ دار الشفا میں میٹنگ رکھی گئی تھی۔

میں اس بات کو فراموش نہیں کر سکتا کہ وزیر اطلاعات کے معاون

---

[1] رک، تحفۃ الاحباب ص۹۰ و ۹۱

نے کسی مناسبت سے کہا تھا :

" مسلط کردہ جنگ کے زمانہ میں سپاہ (۷/۸)، جاسوسی ایجنسی کے اسناد کے ضمن میں ہم نے کئی جگہ یہ دیکھا کہ استکبار کے مزدوروں نے اپنے آقاؤں کو لکھا تھا : ایران کی حکومت نے اپنی رضا کار فوج کو ایک چیز دے رکھی ہے کہ جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتی ہے ۔ اس کو وہ کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے ہیں اور ان کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی کہ اس کلید کو ساتھ رکھنے سے جنت میں چلے جائیں گے اس کو ساتھ رکھنے سے ان کے اندر عجیب قسم کا جوش، ولولہ اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ اسے جنت کی کلید سمجھتے ہیں اور اس بات پر ان کا ایمان ہے کہ اگر مارے جائیں گے تو کلید سے جنت کا دروازہ کھول لیں گے ۔"

وزیر اطلاعات کے معاون نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا :

" ہمیں پہلے تو اس بات پر بہت تعجب ہوا کہ یہ جنت کی کلید کیا چیز ہے کہ جس سے رسوا ر زمانہ استکبار اتنا زیادہ خوف زدہ ہے کہ اس پر خاص توجہ دی ہے اور الگ پیرائے میں اسے بیان کیا ہے ۔

ابتدا میں ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے ۔ آخرکار بحث و تبادلۂ خیال کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بہشت کی کلید محدث قمی کی

مفاتیح الجنان ہے !!!"

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ کتنے بوکھلائے ہوئے تھے۔

آج مجھے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ جو چیز فکری انحطاط، اقتصادی طمع دہانی اور اخلاقی آلودگی سے معاشرہ کو بچائے، وہ قرآن، دعا اور مفاتیح الجنان ہے جو خالص دعاؤں کا مجموعہ ہے جو کہ زمین و آسمان کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے اور جو لوگ مغرب کی فریب کاریوں کے مقابلہ میں، ڈٹے ہوئے ہیں وہ مفاتیح الجنان اور دعاؤں کے حامل رضا کار فوجی ہیں روشن فکروں کی اصطلاح میں نہ ان کے پاس "ڈپلومیٹ بریف کیس" ہے اور نہ "سامسونٹ"۔ استقلال کے پاسدار وہ لوگ ہیں جو عارفانہ مناجات پڑھتے ہیں، سیاسی سرگوشیاں کرنے والے نہیں۔

موجودہ صدی کے کتاب شناس

محدث نوری کے دوسرے تربیت یافتہ موجودہ صدی کے کتاب شناس محقق بزرگ شیخ آقا بزرگ تہرانی ہیں۔ آقا بزرگ تہرانی ۱۲۹۳ھ ق کو تہران میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اور دادا اس شہر کے علماء میں سے تھے اور ان کے پردادا تہران کے مخیر تاجر تھے سب سے پہلے ایران میں انہوں نے ہی پریس لگایا تھا اور ان ہی بڑے تاجر کے نام پر شیخ آقا بزرگ تہرانی کا نام محمد محسن رکھا گیا تھا۔

بزرگ تہرانیؒ نے بہت سے علماء کے خرمن سے خوشہ چینی کی تھی

اور بہت سے دانشوروں کے فیض سے مستفیض ہوئے تھے۔ جو علماء حدیث شناسی، رجال، تراجم اور کتاب شناسی میں ماہر شمار ہوتے تھے۔ ان میں سے بہت سب سے زیادہ بزرگ تہرانی نے محدث نوری سے استفادہ کیا تھا اور رجال و کتاب شناسی میں تو آپ برحق ان کے قائمقام ہیں۔

محقق تہرانی کا عظیم ترین اثر، علم کتاب شناسی میں وہ عظیم دائرۃ المعارف ہے، کہ جس کا نام الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ہے۔ یہ کتاب ۲۶ جلدوں پر مشتمل ہے۔ صرف نویں جلد کے چار حصے ہیں۔

آقا بزرگ تہرانی نے اس شیعی عظیم دائرۃ المعارف کی تدوین کے لئے طویل و دراز کے سفر کئے، عراق، ایران، شام، فلسطین، مصر اور حجاز کے عام کتب خانوں سے استفادہ کیا اور ان ممالک کے بہت سے ذاتی کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ ان کی کتابوں سے تحقیق کی اور کل ۶۲ کتب خانوں میں تحقیق کی اور دوسرے بہت سے کتب خانوں کی فہرست کا مطالعہ کیا۔

جیسا کہ الذریعہ میں جگہ جگہ نظر آتا ہے کہ انہوں نے اپنے استاد محدث نوری کے بے نظیر کتب خانہ سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ بزرگ تہرانی اپنے استاد علامہ نوری سے پہلی شناسائی اور ملاقات کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:

"میری پہلی ملاقات سامراء میں ۱۳۱۳ھ ق میں ہوئی تھی۔
میں اس سال عراق پہنچا تھا یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے
جب میں نجف اشرف میں وارد ہونے سے قبل سامراء کی

زیارت کے لئے سفر کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

جمعہ کا دن تھا کہ میں محدث نوری کے گھر پر عزائے امام حسین علیہ السلام کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی مجلس میں گیا تھا وہاں ہر جمعہ کو ظہر سے پہلے یاد امام حسین کے سلسلہ میں مجلس منعقد ہوتی تھی۔

جب میں مجلس میں وارد ہوا تو دیکھا کہ علماء اور دیگر لوگوں سے مکان چھلک رہا ہے اور شیخ نوری منبر سے درس اخلاق دے رہے ہیں ۔ میں نے موقعہ غنیمت سمجھا اور بیٹھ گیا کہ استاد کے بیان سے استفادہ کروں ، استاد نے مصائب امام حسینؑ پر اپنا بیان ختم کیا ، حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے ہر ایک اخلاقی و تاریخی نکات سے اپنا دامن بھر کے لوٹا ۔ میں بھی تمام لوگوں کی طرح اٹھ کر چل دیا ۔

لیکن میرے دل میں علامہ نوری کی کتنی عظمت و محبت پیدا ہوگئی تھی اسے خدا ہی جانتا ہے ۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ شیخ کتنے جلیل القدر اور با عظمت ہیں ۔

کیونکہ جس زمانہ میں میں نے انھیں دیکھا تھا تو ان میں ، میں نے گزشتہ علماء سلف صالح اور نیکوکاروں کی عظمت اور خصلت دیکھی تھی ۔ گویا میں نوری کے دیدار سے نیکوکاروں کا دیدار کر رہا تھا اور اخیار سے

خلوت میں محو گفتگو تھا۔

ناچار میں نے سامرا کو خدا حافظ کہا اور نجف لوٹ آیا لیکن ہمیشہ میرے دل میں یہ آرزو رہتی کہ اے کاش! اس عالی مقام شیخ سے ملاقات کی توفیق میسر آجائے اور اس خرمن سے خوشہ چینی کرنے کا موقعہ ملے اور ان کے دریائے علم سے بہرہ مند ہوسکوں اور اپنی علمی پیاس بجھاؤں۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا کہ میں نے ۱۳۱۷ھ میں ق کو سنا کہ وہ نجف اشرف تشریف لائے ہیں، میں بغیر کسی تامل کے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور نوری کے بحر بیکراں کے سرسبز ساحل سے گل چینی کرنے میں مشغول ہوگیا۔

میں نے ان کے ساتھ رہنا اپنے لئے ضروری سمجھا چنانچہ چھ سال تک سایہ کی طرح میں ان کے ساتھ رہا۔ وہ جہاں بھی جاتے تھے میں ان کے ساتھ جاتا تھا یہاں تک خداوند عالم نے دار باقی کو ان کے لئے منتخب کیا۔"

اس کے بعد بزرگ تہرانی انھیں اپنا استاد اور معلم اول قرار دیتے ہیں اور ان کی سوانح حیات لکھنا شروع کرتے ہیں[۱]

آقا بزرگ تہرانی اپنی کتاب "طبقات اعلام الشیعہ" جو کہ طبقات

---

[۱] نقباء البشر ج ۲ ص ۵۴۳

کی ترتیب سے لکھی گئی ہے، جب علامہ نوری کے نام پر پہنچتے ہیں تو حاشیہ پر لکھتے ہیں :

"جب میں نے یہ نام تحریر کیا تو میرے ہاتھ کانپنے لگے۔" قلم اینجا رسید و سر بشکست (قلم یہاں تک پہنچ کر ٹوٹ گیا) گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ملاقات کے بعد فراق و ہجران کی منزلیں گزر نے لگیں۔ اور اب میں اپنے استاد نوریؒ کا ترجمہ لکھ رہا ہوں، ان کی جو مخصوص ہیبت مجھ پر طاری رہتی تھی اسے میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم دیکھا اور خوف زدہ ہو گیا، عظمت و منزلت کو یاد کیا اور بے اختیار مجھے اپنے چھوٹے پن کا احساس ہونے لگا۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ اگر کسی دوسرے دانشور کا حال لکھنا ہوتا تو آسان تھا لیکن کیا کروں اور ان کے سلسلہ میں کیسے قلم کو جنبش دوں اور اپنی نگارش سے انھیں کیا لکھوں وہ ان دلیر مردوں میں سے ہیں کہ جن کی حیات و خدمات لامحدود اور شخصیت بیکراں ہیں۔

خصوصاً ایسی عظیم شخصیت پر قلم اٹھانا اور ان کی لامحدود عظمت کو لکھنا جو کہ بجائے خود ناپید کنار دریا ہے، حقیقت میں ایسے علماء کے بارے میں کچھ لکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ ایک امین مورخ کے لئے حدیث نور کے

وزن و ثقل کو برداشت کرنا بہت مشکل ہے، اس حساس موقف پر اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنا میرے لئے ناگزیر ہے مجھے یہ کہنا چاہیئے کہ میں ان کے حق کی ادائیگی سے عاجز ہوں

آزاد مرد

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
زہرچہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

(حافظ شیرازی)

علامۂ نوریؒ کے فیض سے تین بزرگوار سب سے زیادہ مستفیض ہوئے ہیں اور وہ شب و روز پروانہ وار اس شمع وجود کے چاروں طرف گھومتے تھے اور وہ یہ ہیں :

۱۔ آقا بزرگ تہرانی ، اس صدی کے عظیم مورخ ۔
۲۔ شیخ علی قمی نجفی ، مشہور بہ زاہد ۔
۳۔ حدیث اخلاص شیخ عباس معروف بہ محدث قمی ۔

محقق تہرانی اور محدث قمی کے بارے میں اگرچہ بہت ہی مختصر لیکن ہم لکھ چکے ہیں ۔ زاہد قمی کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں :

اس عالم کو خالص اخلاق اسلامی کا نمونہ کہتے ہیں ۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ زاہد زمانہ اور جہاد بالنفس کے سلسلہ میں مرد مجاہد تھے جو ہمیشہ جہاد اکبر میں مشغول رہتے اور اژدھائے نفس سے جنگ کرتے تھے ۔ ان کے

نمایاں صفات میں سے ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ :

اسلامی ممالک میں جو چیزیں غیر اسلامی ممالک سے وارد ہوتی تھیں اور وہ مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہیں ہوتی تھیں تو آپ انھیں کبھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ خواہ وہ کھانے کی چیز ہو یا پینے یا پہننے والی یا اسٹیشنری کے اسباب۔

دوسری صفت :

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بہت سخت تھے اور اس سلسلہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے وہ محبوب کے غیظ کے عوض اغیار کی خوشنودی حاصل نہیں کرتے تھے اور دین پر کسی شخص یا کسی چیز کو مقدم نہیں کرتے تھے۔

غیبت سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ ان کی زندگی بھر نہیں دیکھا گیا کہ انہوں نے کسی کے پس پشت کوئی بات کہی ہو۔ وہ بہت کم بولتے تھے اور زیادہ سوچتے تھے۔

اور صبر میں، جو کہ رأس الایمان شمار ہوتا ہے، صابر زمانہ تھے۔ ایک دن نجف میں ان کے عزیز و فاضل بیٹے کا انتقال ہوگیا۔ آپ دفن و کفن کر کے واپس لوٹ رہے تھے کہ انھیں راستہ میں یہ خبر ملی کہ ان کے دوسرے بیٹے شیخ شریف نے ایران میں وفات پائی ہے تو اس سے آپ کی جبین پر بھی شکن نہیں آئی، خاک پر سر رکھا اور خدا کا سجدہ بجالائے

ے نقباء البشر ج ۴ ص ۱۳۲۳ - ۱۳۲۸

اور زبان حال سے کہا : ہم راضی برضائے خدا ہیں :

در بلا ہم می چشم لذاتِ او
ماتِ اویم ماتِ اویم ماتِ او

(مولوی)

عنوانِ سیاست

نوریؒ کے خاص اصحاب و حواریوں میں سے، مصلح اعظم، شیخ خبیر، بیدار سیاست مدار، آیت اللہ محمد حسین کاشف الغطا بھی ہیں۔ شیخ بزرگ تہرانی اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں :

" کاشف الغطا میرے دیرینہ دوست تھے۔ پچاس سال سے زائد ان کے اور میرے درمیان تعلقات تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے پہلی بار ان سے ملاقات کی تو اس وقت وہ ہمارے استاد علامہ نوری کے گھر تھے کہ سفر و حضر میں ہمیشہ ان کے ہمراہ رہتے تھے۔[1] آپ کی شخصیت اس سے برتر ہے کہ دائرۂ بیان میں سمائے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں " کاشف الغطا، سورۂ قہر" مولفہ محمد رضا سماک (عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آ رہی ہے)

---

[1] آوائے بیداری ص۱۵ ، نقباء البشر ج ۴ ص۱۲۳۹

کاشف الغطا کے پاس محدث نوری کا روائی اجازہ بھی تھا۔[۱]

راویانِ نور

حوزہ کے نظام میں زمانۂ قدیم سے یہ رسم چلی آرہی ہے کہ بزرگ اور بڑے علما ان افراد کو اجازہ دیتے تھے جن کی صداقت اور وثاقت ثابت ومسلم ہوتی تھی تاکہ وہ ان سے ان کے اساتذہ سے اور کتابوں سے روایات نقل کریں اور اس طرح یہ نورانی سلسلہ جاری رہے۔ اس موضوع پر استاد محمد رضا حکیمی لکھتے ہیں:

'مدتوں مجھے اس بات کی تمنا رہی کہ مجھے آقا بزرگ تہرانی کا اجازہ مل جائے تاکہ ان کے واسطہ سے محدث متاخر مرحوم نوریؒ اور ان کی اسنادسے اصحاب ائمہ تک میرا سلسلہ پہنچ جائے۔ آج کی رسم اس کے برخلاف، نقل حدیث کے اس المناک دور میں، میں نقل حدیث میں بھی مجاز ہو جاؤں، چنانچہ چند سال قبل حضرت شیخ آقا بزرگ تہرانی مشہد مشرف ہوئے۔ میں نے ان سے حرم امام رضا علیہ السلام میں ملاقات کی۔ کچھ دیر کے بعد ان سے نقل حدیث کے اجازہ کی درخواست کی۔

---

[۱] دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ج ۲ ص۱۰۵، طبع دوم۔

انہوں نے شدت کے ساتھ گریہ کیا اور فرمایا: افسوس
کہ ابھی تک میں نے صرف ایک شخص ایسا دیکھا ہے کہ جو
اجازۂ روائی کا طلبگار ہے اور نقل حدیث میں محتاط ہے
.... یہ بات کہہ رہے تھے اور رو رہے تھے اور احادیث
کی نگہبانی نہ ہونے پر افسوس کر رہے تھے اور فرما رہے
تھے: میرے استاد نوریؒ بھی اسی بات پر افسوس کرتے تھے
کہ نقل حدیث کے سلسلہ میں اہتمام نہیں کیا جاتا ہے[۱]"

مرحوم محدث نوری جوانی ہی سے اجازات کے بارے میں پورا اہتمام کرتے تھے، جیسا کہ ۲۱ سال کی عمر میں آپ نے اولین کتاب "مواقع النجوم" علم اجازات ہی پر لکھی تھی[۲]

ان لوگوں کے علاوہ جن کا پہلی فصل میں تذکرہ ہوا ہے، کچھ اور علمانے بھی محدث نوری سے روائی اجازے حاصل کئے تھے منجملہ ان کے:

۱۔ آیت اللہ سید محسن امین عاملی صاحب اعیان الشیعہ (۱۲۸۴—۱۳۷۱ق)

۲۔ مرحوم میرزا نائینی (م ۱۳۵۵ق)

۳۔ حاج شیخ محمد ہادی بیرجندی (۱۲۷۷ — ۱۳۶۶ق) معروف بہ ہادوی متخلص بہ ہادی۔

---

[۱] رک، شیخ آقا بزرگ ص ۱۴ و ۱۵

[۲] یہ کتاب، "شجرۂ مواقع النجوم" کے نام سے آیت اللہ مرعشی نجفی کے مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے۔

۴۔ مرحوم حاج شیخ محمد باقر ہمدانی (۱۳۳۳ق)
۵۔ فدا حسین لکھنوئی معروف بہ نظیر حسن (م ۱۲۷۸ق)
۶۔ منیر الدین بروجردی (۱۲۶۹ق - ۱۳۴۱ق) صاحب قوانین میرزائے قمی کے نواسے۔
۷۔ علامہ مجاہد حاج شیخ محمد جواد بلاغی (متوفی ۱۲۵۲ق) صاحب تفسیر الاء الرحمٰن۔
۸۔ شیخ محمد علی کچوئی اردستانی (م ۱۳۳۵ق) صاحب انوار المشعشعین۔
۹۔ سید ابو طالب شیرازی کہ جنہوں نے علامہ نوریؒ کی کتاب "مواقع النجوم" کی نسخہ برداری کی تھی اور مجدد شیرازی کے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔
۱۰۔ حاج عبدالکریم حائری، مؤسس و بانی حوزۂ علمیۂ قم۔
۱۱۔ سید ابو محمد حسن صدر الدین موسوی کاظمینی، صاحب تأسیس الشیعہ لعلوم الاسلامی۔
۱۲۔ سید ہبت الدین شہرستانی، صاحب کتاب الھیئۃ و الاسلام۔
۱۳۔ علامہ سید شمس الدین محمود حسینی مرعشی (۱۲۶۰–۱۳۳۸ق) آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین مرعشیؒ مرحوم کے والد، صاحب مشجرات آل الرسولؐ۔
۱۴۔ شریف الاسلام سید اسماعیل مرعشی نجفی، صاحب قانونچہ در طب
۱۵۔ حاج مرزا علی حسینی مرعشی شہرستانی۔ شیخ بہائی کے وجیزہ فی علم الدرایۃ

کے شارح ۔

۱۶۔ شیخ محمد حرز الدین نجفی صاحب معارف الرجال ۔

۱۷۔ شیخ مہدی قمی معروف بہ پائین شہری ۔

۱۸۔ حاج مرزا حسن علیاری تبریزی، صاحب تعلیقہ بر شرح لمعہ بن حاج ملا علی مجتہد علیاری سردرودی ۔

۱۹۔ حاج شیخ عبدالنبی نوری تہرانی ۔

۲۰۔ حاج سید ابوالقاسم اصفہانی دھکردی، صاحب وسیلہ

۲۱۔ شیخ محمد رضا ابوالمجد، صاحب وقایۃ الاذہان [1]

۲۲۔ آقا ضیاء الدین عراقی ۔ متوفی سنہ ۱۳۶۱ھ ق ۔ [2]

۲۳۔ شیخ رضا نجفی اصفہانی ۔ متوفی سنہ ۱۳۶۲ھ ق، صاحب نقد فلسفۂ ڈارون [3]

۲۴۔ حاج سید نصر اللہ نقوی [4]۔

۲۵۔ سید مہدی حسینی تفرشی، معروف بہ بدایع نگار المتخلص بہ لاہوتی

ان کے علاوہ اور بزرگوں سے بھی اجازے حاصل کئے ہیں ۔

---

[1] شجرہ مواقع النجوم، محدث نوری، آیت اللہ سید شہاب الدین مرعشی کے مقدمہ کے ساتھ

[2] علمائے معاصرین ص۲۱۳

[3] علمائے معاصرین ص۳۱۶

[4] " " ص۳۹۶

لیکن جو بزرگوار ایک واسطہ سے علامہ نوری سے حدیث نقل کرتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، من جملہ ان کے:

۱- امام خمینیؒ
۲- آیت اللہ بروجردیؒ۔
۳- آیت اللہ سید عبدالہادیؒ۔
۴- علامہ مجاہد آیت اللہ سید عبدالحسین امینی صاحب الغدیر ۱۳۲۰ق — ۱۳۹۰ق۔
۵- مفسر قرآن علامہ محمد حسین طباطبائیؒ۔
۶- آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین مرعشی نجفیؒ۔
۷- آیت اللہ شیخ محمد آل یاسین۔
۸- آیت اللہ شیخ محمد حسن مظفر
۹- آیت اللہ میرزا محمد علی اردوبادی، ادیب معروف نجف۔[1]
۱۰- استاد سید ہاشم رسولی محلاتی۔[2]
۱۱- علامہ معاصر استاد محمد رضا حکیمی۔[3]

---

[1] کیہان فرہنگی دورۂ سوم شمارہ ۱۱ ص۲۵ و ۲۶ نیز مواقع النجوم
[2] 〃 〃 〃 〃 شمارہ ۱۲ ص۶ 〃 〃
[3] 〃 〃 〃 〃 شمارہ ۱۱ ص۲۶

۱۲۔ استاد سید ہادی خسروشاہی [1]

۱۳۔ حاج ملا علی واعظ خیابانی، صاحب کتاب "علمائے معاصرین" [2]

۱۴۔ آقا سید محمد تقی خوانساری پیشوائے معروف نماز باران۔

۱۵۔ آیت اللہ سید محمد حجت کوہ کمرہ ای۔

۱۶۔ مجتہدۂ عالمۂ اصفہانی بانو امین اصفہانی رح [3]

۱۷۔ علامہ معاصر آیت اللہ شیخ محمد تقی تستری دام ظلہ العالی۔

---

[1] فصلنامہ تاریخ و فرہنگ معاصر سال اول شمارۂ اول ص۳۷

[2] علمائے معاصرین ص۱۸۳

[3] " " ص۲۱۳

فصلِ چہارم

اصلاحی اقدامات کے چند نمونے

لوگوں کے درمیان

آیت اللہ نوری ان لوگوں سے نہیں تھے جو کتابوں میں کھو جاتے ہیں اور اپنی ذاتی کتب خانہ میں محدود ہو جاتے ہیں اور نتیجہ میں زمانہ وما فیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں بلکہ اس کے برخلاف لوگوں کے درمیان رہتے تھے۔

آپ عین کتاب شناس، ماہر سند شناس اور فعال ہونے کے ساتھ زمانہ اور اس کے حالات سے باخبر تھے۔ ایسے دور اندیش تھے کہ چشم بصیرت سے مستقبل کو دیکھ لیتے تھے اور بخوبی جان لیتے تھے کہ :

علاج واقعہ قبل از وقوع باید کرد
بلا ندیدہ دعا را شروع باید کرد

اور ایسے کیوں نہ ہوتے کہ وہ مسلمانوں کے مرجع وملجا تھے۔ کیا وہ عرصۂ دراز تک لوگوں اور ان کے بیدار مغز مرجع آیت اللہ العظمیٰ میرزا بزرگ شیرازی کے درمیان واسطہ و رابطہ نہیں تھے۔ آپ ان کے گھر میں اس طرح مشغول رہتے تھے کہ اگر آپ کو مرجع کا دایاں ہاتھ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

علامہ نوری ایسے نہیں تھے کہ جو صرف علمی و تحقیقی کتاب تالیف کرنے پر اکتفا کر لیتے بلکہ وہ پاسدار مجاہد تھے جو کہ لوگوں کو خطرات سے آگاہ کرتے رہتے تھے وہ بیدار مصلحین کے ساتھ آگے بڑھتے تھے۔ آپ ایک زمانہ تک مفتی جری میرزائے شیرازی کے ساتھ رہے تھے اور ان کے سانحہ ارتحال کے بعد بھی ان کے مسلک کو زندہ رکھے ہوئے تھے اور ہر اصلاحی و اسلامی تحریک کی تائید فرماتے تھے۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

اس زمانہ میں اصفہان کے لوگوں نے اپنے آگاہ ہوشیار علماء، خصوصاً آیت اللہ حاج آقا نور اللہ اصفہانی نجفی کی قیادت میں شرکت اسلامیہ کے نام سے ایک کمپنی بنائی تھی تاکہ ممکنہ حد تک مسلمانوں کے اقتصادیات صحیح رکھ سکیں اور بیرونی کمپنیوں کی غارت گری و فریب کاری سے محفوظ رہ سکیں۔ علامہ نوریؒ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی اصلاح، استقلال اور خود کفائی کے سلسلہ میں ایک قدم اٹھایا گیا ہے تو آپ نے صرف ان کی ہر طرح تائید ہی نہیں کی بلکہ اس پر زور بھی دیا اور پمفلٹ چھپوا کر لوگوں کو اصفہان والوں کی مدد کرنے کی دعوت دی۔

اس زمانہ میں چھپنے اور نشر ہونے والے ایک پیغام کے ضمن میں

بیدار تاجروں کی اس طرح مدح سرائی کی :

"کتنی بہترین ہے وہ تجارت جو سلک عبادت میں پروئی ہے اور ریا کاری کی عبادت   لوگوں کے دینی و دنیوی امور کے لئے تباہ کن ہے، اے کاش میں ایسی تجارت کرنے والوں کے ساتھ ہوتا تو کامیاب ہوجاتا[لے]۔"

اسی مضمون سے قریب مضمون کا علامہ نوریؒ کا دوسرا فتویٰ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں روزنامہ اطلاعات شمارہ ۱۹۵۵۵ کا ص۲ منقول از کتاب لباس التقویٰ ۔

نوری کے آنسو

خلق را تقلیدشان بر باد داد
اے دو صد لعنت برایں تقلید باد

ایک سو پندرہ (۱۱۵) سال قبل علامہ نوریؒ نے قوم کے المیہ پر گریہ کیا اور اسے بیدار کرنے کے لئے نعرہ بلند کیا ۔ لوگو ! ہوش میں آجاؤ، اور اپنی خبر لو دشمن تمہیں اپنا مقلد و مطیع بنانا چاہتا ہے ۔ بیگانے تمہیں بیوقوف بنانا اور تمہارا استحصال کرنا چاہتے ہیں ۔ اور جب یہ دیکھتے ہیں کہ دشمنوں کے مادی مزخرفات وخرافات سے مرعوب ہوگئے ہیں اور استکبار کے دام فریب میں چلے جارہے ہیں تو آپ تنبیہ کرتے ہیں کیونکہ آپ بخوبی جانتے تھے:

اندر طبیعت است کہ باید شود زبون ٭ ہر ملتی براحتی و عیش خو کند

جب مغرب سے متاثر افراد کو دیکھتے ہیں کہ وہ لوگوں کو بیگانوں کا مطیع، طفیلی اور عیش پرست بنانا چاہتے ہیں تو اس سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور اپنے درد دل کے دریا میں دریا کی موجوں کی طرح بپھر جاتے ہیں۔

اپنی کتاب "کلمۂ طیبہ" میں طبل خطر بجاتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ مغرب زدگی کی غفلت بار نیند سے بیدار ہوجائیں، ہوش میں آجائیں انھیں کوئی جھٹکا لگ جائے۔

اس کتاب مستطاب کی تالیف سے سنہ ۱۳۰۱ھ میں فراغت پائی چنانچہ لکھتے ہیں:

دوسرا باب ملت کی تباہی اور شریعت کی بربادی کے بارے میں ہے اور ممکن ہے کہ دین مبین اسلام کے ستون اور اساس منہدم ہوجائیں۔

اس بڑے خطرے کی وجہ صرف خود باختگی، مغرب سے متاثر ہونا اور رفاہ طلبی جانتے ہیں اور اس حالت کو ذلت آمیز اور اس ننگ و عار کا باعث لوگوں کو قرار دیتے ہیں۔

آپ آج جس شہر و قریہ سے بھی گزریں گے تو دیکھیں گے کہ لوگ دشمنوں کی ادا اپنانا چاہتے ہیں۔ ان میں کفر و الحاد کے آئین و قوانین اور رسم و رواج نفوذ کر آئے ہیں۔ ضروریات زندگی اور عیش و آسودگی کے اسباب میں سے کوئی چیز ایسی نہیں بچی ہے کہ جس پر استکبار کا نام و نشان اور الحاد کی یادگار کندہ نہ ہو۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اس کام کے نتائج اور راہ چال و چلن

کے ثمرات بے پناہ مضر اور نقصان دہ ہیں پھر چند مفسدوں کا تذکرہ کرتے ہیں ہم یہاں خلاصہ کے طور پر بیان کرتے ہیں :

۱۔ خدا و کائنات کے دشمن کو دوست سمجھنا اور محبوب کے علاوہ بیگانوں کو دوست بنانا۔

۲۔ خود اپنے سے بیگانہ ہونا، اپنی تہذیب کو حقیر سمجھنا اور شیعہ مبارز علما جو کہ برحق زندہ و جاوید شجاعت کے پاسدار ہیں، ان سے روگردانی کرنا اور سیکڑوں ایسے ہیں۔[1]

جرأت فتویٰ میں نوری کا کردار

جرأت فتویٰ کے پیچھے آیت اللہ میرزا شیرازی نے تمباکو کی حرمت کا فتویٰ دیا اور اس زمانہ کے برطانوی استکبار کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تاکہ مسلمانوں کی عزت سے دفاع کر سکیں اور اس ذلت آمیز قرارداد پر خط بطلان کھینچ دیا۔ استعمار کے ہتھکنڈے و گماشتے بیکار نہیں بیٹھے تھے بلکہ وہ گوناگوں قسم کے منصوبے بنا رہے تھے اور عوام فریبی میں مشغول تھے چنانچہ بے بنیاد قسم کی باتوں کو ہوا دی جا رہی تھی، جیسے: میرزا شیرازی نے یہ فتویٰ نہیں دیا ہے۔ میرزا نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا ہے۔ تمباکو کی حرمت کا حکم ہٹا لیا ہے۔ ایسی ہی اور بہت سی افواہیں پھیلائی جا رہی تھیں۔

---

[1] سیمائے فرزانگان ج ۳ ص ۴۹۲ منقول از کلمہ طیبہ، باب دوم۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایران سے بعض مسلمانوں نے عراق خط لکھا اور محدث نوری مرحوم سے اپنا فریضہ معلوم کیا، موصوف نے بھی ایک خط لکھ کر قضیہ کو روشن کیا اور دشمنوں کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔

سامرا سے علامہ نوریؒ نے جو تار شیخ شہید کو بھیجا تھا اس کی عبارت کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

"جناب شریعتمدار آقای شیخ فضل اللہ نوری سلمہ اللہ تعالیٰ!
کچھ لوگوں نے تہران سے سوال کیا ہے اور خصوصاً دخانیات
کے بارے میں حضرت حجۃ الاسلام کا حکم دریافت کیا ہے تعجب
ہے! انہوں نے یہ حکم دیا ہے اور اب از سر نو ان کے دستخط
کے ساتھ ڈاک کے ذریعہ ارسال کیا جاتا ہے۔[1]"
"حسین نوری"

اسی سلسلہ میں مزید دو تار عراق سے ایران بھیجے جاتے ہیں دونوں پر محدث نوریؒ کے دستخط تھے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

"یزد۔ خدمت سرکار شریعتمدار آقای آقا سید علی مدرس دام علاہ
حضرت مستطاب حجۃ الاسلام دام ظلہ العالی کے مقلدین،
احکام محکمہ کی تفصیل سے آگاہ ہیں۔ دخانیات کا استعمال
خواہ کسی بھی طریقہ کا، حرام ہے اور سرکار ابھی تک اپنے

---

[1] قرارداد رژی سنہ ۱۸۹۰ء، شیخ حسن کربلائی صفحہ ۸۰۔ نیز تحریم تمباکو، ابراہیم تیموری طبع سوم تہران ۱۱۶

فتوے پر باقی ہیں اور یہ طے کیا ہے کہ جب داخلی اور بیرونی طاقتیں اپنے امتیاز کو ختم کرنے کا اعلان نہیں کریں گی اور آپ کو تحقیق کی راہ سے معلوم نہ ہو جائے گا اس وقت تک حکم حرمت نہیں اٹھائیں گے اور اس دخانیات سے اجتناب ضروری ہے اور اسی مضمون کی تحریر آقا کی پہنچے گی"۔[1]

"حسین نوری"

اسی مضمون کا دوسرا تار سبزوار ارسال کرتے ہیں:

"سبزوار - خدمت جناب مستطاب عماد الاسلام آقای حاجی میرزا ابراہیم شریعتمدار دام علاہ! غیروں کی اسلامی شہروں میں مداخلت کی بنا پر حضرت حجۃ الاسلام مدظلہ نے اپنے مقلدین کے لئے ہر قسم کے دخانیات کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے کہ جس کی جناب عالی کو اطلاع ہے۔ محض کلمہ حقہ کے اعلا کے لئے عرض ہے کہ آپ ابھی تک اپنے فتوے پر باقی ہیں اور جب تک یہ ثابت نہیں ہو جائے گا کہ ان کی اندرونی اور بیرونی مداخلت ختم ہو گئی ہے اس وقت تک دخانیات کے استعمال کی اجازت نہیں دیں گے۔ حرمت کا حکم اپنی جگہ پر باقی ہے اور

---

[1] تحریم تمباکو ص ۱۸۶

اجتناب ضروری ہے، اجازت نہیں ہے۔"[1]

"حسین نوری"

(۱) تحریم تمباکو ص ۱۸۹

سفیرِ آفتاب

تمباکو کی حرمت پر مبنی میرزا مرحوم نے تاریخ ساز فتویٰ دینے کے بعد محدّث خبیر علامہ نوری کو اپنی طرف سے سفیر مقرر کیا تاکہ وہ ایران کا سفر کریں، ایران میں انقلاب تمباکو کی قیادت کے ضمن میں قضیوں کے کم و کیف کا اندازہ لگائیں اور انقلاب کی کیفیت سے انھیں مطلع کریں۔

نوری مرحوم نے اس عظیم ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا اور تہران سے سامرا آپ نے شیر فتویٰ اور اس زمانہ کے مرجع بزرگ مجدد شیرازی کو جو خط لکھا تھا، اس میں انقلاب تمباکو کی کیفیت سے مطلع کیا تھا اور بعض علما کے موقف کی تشریح کرتے ہوئے طریقہ کار کی فرمائش کی تھی۔

آیت اللہ سید رضی دام ظلہ جو کہ میرزائے بزرگ کے پوتوں میں سے ہیں وہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: نوری مرحوم نے تہران سے میرزا مرحوم کو جو خط لکھا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ خط زرد ہو اور بوسیدہ ہو گیا تھا۔

نوری مرحوم نے اس خط میں تمباکو کی حرمت کے سلسلہ میں جو حالات رونما ہوئے تھے وہ سب لکھ دیتے تھے، اختصار کے ساتھ ایک صفحہ میں میرزا کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔

یہ خط جس چیز کا ترجمان تھا وہ یہ تھی کہ: صرف میرزا ہی نے یہ اقدام

نہیں کیا تھا بلکہ کچھ اور اشخاص بھی تھے کہ جو فتویٰ دینے کے بعد میرزا کو قضیہ کے کم وکیف سے خبردار کرتے رہتے تھے۔
حاجی نوری طاب ثراہ کو میرزا مرحوم نے اسی لئے تہران بھیجا تھا۔[1]

ابتکار فکر

ہر زمان فکری چو مہمان عزیز
آید اندر سینہ چون جان عزیز
می فشاند برگ زرد، از شاخ دل
تا بروید برگ سبز متصل
فکر در سینہ درآید نو بہ نو
خندخندان پیش او تو باز رو!

(جلال الدین مولوی)

ایسا مفکر بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے کہ جس کے تمام افکار و نظریات دوسروں کے افکار کے موافق ہوں بلکہ یہ محال و ناممکن ہے۔
بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محقق بہترین متتبع تھے لیکن بہترین محقق نہیں تھے جیسا کہ بعض بزرگوں نے ان کے بارے میں یہی بات کہی ہے۔ لیکن یہ بات اس وقت صحیح اور یہ تحقیق اس وقت کامل ہوگی جب

---

[1] مجلہ حوزہ شمارہ ۵۰ و ۵۱ یادوارۂ صدمین سال درگذشت میرزائے بزرگ ص۴۳ و ۴۴ {آیت اللہ سید رضی شیرازی کے انٹرویو

محدث نوری کو صرف فصل الخطاب کے اعتبار سے دیکھیں، وہ بھی اس وقت جب اس بات کو مد نظر نہ رکھا جائے کہ وہ افسانۂ تحریف سے منصرف ہو گئے تھے اور خود انھوں نے فصل الخطاب کی رد میں ایک کتاب لکھی تھی۔

لیکن اگر تعصب کی عینک اتار کر مستدرک الوسائل کے لحاظ سے دیکھیں۔ تو انھیں ایک ایسا عالم پائیں گے کہ جو علم ومعرفت کا عالم ہے اور ایسا دانشور کہ جس نے محققین اور متلاشی افراد کے لئے رہتی دنیا تک کے لئے دنیائے علم ودیانت کا باب کھول دیا ہے۔

آیئے علامہ نوریؒ کو ہم "لولو مرجان" کے صاف وشفاف آئینہ میں دیکھیں اس سے معلوم ہوگا کہ وہ مبتکر مفکر اور مدقق محقق ہیں۔

آیئے انھیں "کشف الاستار" کے صاف آئینہ میں دیکھیں تاکہ ہم آیت اللہ کاشف الغطا کے ہم آواز ہو کر ان کی زبان میں ان کے استاد کی تعریف کریں وہ فرماتے ہیں:

"اگر خدا اپنے بندوں کو اپنا جلوہ دکھاتا تو یقینا فرماتا کہ نوریؒ میں میرا نور ہے[۱]۔"

آیئے ہم نوریؒ کو صحیفہ سجادیہ کے صفحات میں دیکھیں تاکہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ اس بیدار مصلح کاشف الغطا نے اپنے استاد کو ان الفاظ میں کیوں یاد کیا ہے کہ:

---

۱ کشف الاستار ص ۲۴۵

"وہ عبادت گزار عالم اور نالہ کناں عارف تھے"۔ ؎

آیئے ایک بار ہم انصاف کی رصدگاہ سے نوری کی "مواقع النجوم" پر ایک تحقیقی نظر ڈالیں۔

آیئے اس نیلگوں آسمان پر کہ جس کو دنیائے شیعیت کی عزت شمار کیا جاتا ہے اس پر چمکتے ہوئے ستاروں کا نظارہ کریں، کہ جن میں سے ہر ایک بجائے خود حسین وجمیل دنیا کا مالک ہے، تاکہ سلسلہ نوریوں کے سرخیل محدث نوری، جوکہ اس نیلگوں آسمان کا نزدیک ترین ستارہ ہے کی عظمت کا اندازہ لگا سکیں۔

"مواقع النجوم" ایک شجرہ طیبہ ہے کہ جس کے پر بہار پتے سرسبز اور دیدنی ہیں نوری اگرچہ اس تنومند درخت کے نزدیک ترین گل برگ ہیں لیکن ان تک کسی کا ہاتھ پہنچتا ہے۔

آیئے فیض القدسی کے فیض سے بہرہ مند ہوں تاکہ دریائے نور کے غواص، علامہ مجلسی کو، نوری کے نورانی قلم کے ذریعہ پہچان سکیں۔

آیئے اپنے مشام کو، نفس الرحمٰن سے معطر کریں تاکہ نوری کے انفاس قدسیہ کہ ان کے نفس الرحمٰن میں بہاروں کی خوشبو کے تحفوں سے محروم نہ رہیں۔

آیئے دوبارہ خاتمۂ مستدرک الوسائل کا مطالعہ کریں تاکہ یہ معلوم

؎ کشف الاستار ص۲۴۵

ہو جائے کہ بہت سے بزرگوں نے یہ جو کہا ہے برحق کہا ہے کہ:

"نوریؒ مجتہد محدثین کے سرخیل، دائرۂ درایت کے مرکز اور روایت کے پرکار کا نقطہ ہیں۔"

اگر ہم نے مذکورہ چیزوں کو ملاحظہ کر لیا تو ہم انھیں ایک مفکرّ محدّث اور جدت پسند مولف کا نام دے سکیں گے۔ ورنہ فصل الخطاب تو ایسی آیتِ عذاب ہے جو کہ عجلت میں نازل ہوئی قہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور اس آیۂ عذاب کی تفسیر، نامساعد حالات میں، محدث نوری کی تحریف نورانیہ کے سلسلہ کی تحقیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی اور اس باب میں انھیں متبع کہنا ایک اخلاقی عمل ہے۔

اس مختصر مقدمہ کے بعد ہم اصل فصل کی طرف لوٹتے ہیں کہ وہ ان گنے چنے مفکرین میں سے ہیں جنہوں نے اصل کو بارہا ثابت کیا ہے نمونے کے طور پر ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اولین بار انہوں نے کہا تھا:

یہ بات محال ہے کہ خاندان رسالت اسی سال کربلا پہنچے اور اسی اربعین میں حماسۂ جاوید کے شہیدوں کے مزاروں پر حاضر ہوئے ہوں۔ یہ بات نوریؒ نے اپنی کتاب 'لولو مرجان' میں تحریر کی ہے اور اس مدعا پر سات محکم دلیلیں پیش کی ہیں اور بعض معاصر بزرگوں، جیسے مفکر شہید استاد مطہری نے اس نظریہ کو پسند کیا ہے اور اس پر زور دیا ہے۔[1]

---

[1] حماسہ حسینی ج صـ۱۴

۲۔ انہوں نے سو سال پہلے دردمندانہ آہ کھینچی اور آواز بلند کی کہ:

آفتاب عاشورا کی روشنی اور کربلا کے خونین آسمان اور اس کے گہن لگے شفق کی شعاعوں کو مدھم نہ پڑنے دو، ایسا نہ ہو کہ حماسۂ حسینی میں تحریف اور کمال آفرین کتاب کربلا کی تحقیر ہو جائے۔

سو سال قبل اس سلسلے میں نوری کا قول یہ تھا۔

آج اس عظیم مصیبت پر گریہ کرنا چاہئے کہ حماسۂ کربلا میں تحریف اور اس کی تحقیر ہو رہی ہے۔ ہمیں تو نوریؒ کی بات آج ہی کا مسئلہ معلوم ہوتی ہے اور ان کا درد آج کے تمام صاحبان دل کا درد ہے۔[۱]

آج حماسۂ جاویداں کے محدثین اور پاسدار ہی الیہ لکھتے ہیں اور دردمندانہ اس سوگ نامہ کو پڑھتے ہیں تاکہ سوئے ہوئے بیدار ہو جائیں اس سے زیادہ خواب خرافات نہ دیکھیں اور انھیں کربلا کے پاک دامن سے نہ جوڑیں اور یہ جان لیں کہ:

کربلا صرف ماتم ہی کے لئے وجود میں نہیں آئی ہے بلکہ اولاد آدم کی دانش سرچشمہ ہے۔

مبارز کم نظیر سید محسن امین عاملی، استاد شہید مرتضیٰ مطہری اور فاضل فرزانہ دانشور معاصر استا محمد رضا حکیمی اس راہ میں علامہ نوری کے پیرو ہیں۔[۲]

۱۔ حماسہ حسینی ج ۱ ص ۱۴

۲۔ ملاحظہ فرمائیں، کتاب التنزیہ لاعمال الشیعہ، مولفہ صاحب اعیان الشیعہ، حماسہ حسینی عموماً ج ۱، مقالات استاد محمد رضا حکیمی

۳۔ علامہ نوری نے ربیع بن خثیم ایسے تمام افراد کو عادل و ثقہ تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ انھیں ضعیف و ناقابل اعتنا شمار کیا ہے کیونکہ ربیع بن خثیم حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں وسواس و فضول احتیاط کی بنا پر محاذ جنگ سے ہٹ گیا تھا اور ابو الاحرار امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کاروان کربلا میں شریک نہیں ہوا تھا اور یزید و یزیدیوں کے ظلم وستم پر خاموشی اختیار کی تھی اور غیر جانب دار بن کر رفاہ طلب بن گیا تھا۔

نوری رح اس نورانی نظریہ اور اس اصل اصیل پر زور دیتے ہیں:۔

"عادل اور موثق مجاہدین کی انجمن میں مصلحت پسند، محتاط و وسواسی خشک مقدس اور خشک وخالی زہد میں شدت پسندانہ افراد کے ہاتھوں میں تسبیح نہیں آسکتی کہ جس سے ان کے ناموں کے سامنے عین، عدل ثقہ لکھا جا سکے بلکہ شائستہ بات یہ ہے کہ غیر جانبدار اور بے درد رفاہ طلب لوگوں کو حافظ شیرازی کی زبان میں یہ کہا جائے:

حافظا مے خور رندی کن وخوش باش ولی
دام تزویر مکن چون دگران قرآن را

علامہ نوری کے بعد جن دانشوروں نے اس نظریہ کی تائید کی ہے بلکہ اس پر زور دیا ہے، ان میں آیت اللہ خوئی اور رجالی معاصر آیت اللہ شوشتری ہیں۔[1]

یہ تین نظریئے میرزا حسین نوری کے جدت پسند نظریہ کے نمونے ہیں جن میں سے ہر ایک صفحۂ افکار و خیال نئی فکر لئے ہوئے ہے۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ نوری صرف ایک مؤلف و تتبع کرنے والے ہی نہیں تھے بلکہ وہ ابتکار نظریات کے مالک تھے کہ جو بہت بڑی چیز ہے، اس سلسلہ میں آپ ان کی کتابوں خصوصاً "لولو مرجان" کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

---

[1] معجم رجال الحدیث ج ۷، ص ۱۶۸، ۱۶۹ نیز قاموس الرجال ج ۴ ص ۳۳۲ اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ ربیع ابن خثیم شاید وہی ہے جو مشہد میں دفن ہے اور خواجہ ربیع کے نام سے مشہور ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔

فصلِ پنجم

علّامۂ نوری کی حیات کے چند گوشے

نظم و پروگرام

جہان چون خط و خال و چشم و ابروست
کہ ہر چیزی بجائے خویش نیکوست

پوری کائنات میں ایک دقیق نظم و نسق نظر آتا ہے اور اسی نظام احسن پر چرخ کہن گھوم رہا ہے۔ اگر ایک ذرّہ کو اس کی جگہ سے اٹھا لیا جائے تو پوری کائنات میں خلل معلوم ہوگا۔ ہر چیز اور تمام انسان اس قانون کے ساتھ قائم و برقرار ہیں اور کوئی چیز اس منصوبہ بندی سے باہر نہیں ہے۔

حکماء، فلاسفر اور اسلامی متکلمین زمانہ قدیم سے جن دلیلوں اور براہین سے

وجود خداوند عالم کو ثابت کرتے چلے آرہے ہیں ان میں سے ایک دلیل نظم بھی ہے۔ کیونکہ یہ دقیق و محکم نظم ایک ایسے ناظم کے وجود کی حکایت کرتا ہے کہ جو لامحدود علم و دانائی کا مالک ہے۔ اور چونکہ خدا اس نظام احسن کا خالق ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی منظم و مرتب رہیں اور کسی وقت بھی نظم و پروگرام کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

عالم بشریت کی دوسری شخصیت حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزندان اور شیعوں سے اپنی آخری وصیت میں اس طرح مخاطب ہیں:

"تم سب کو میری وصیت ہے کہ زندگی میں نظم و ضبط اور رکھ رکھاؤ کو ہاتھ سے نہ جانے دینا[۱]"

ہم علامہ محدث نوری کو صدیق اکبر حضرت امیر المومنین علیؑ کے سچے پیروکاروں میں دیکھتے ہیں وہ اپنی حیات کے لحظ لحظ کے لئے پروگرام مرتب کرتے ہیں اور شب و روز کے مخصوص نظام کے تحت زندگی گزارتے ہیں اور تا حیات اس بہترین پروگرام میں رخنہ نہیں پیدا ہونے دیتے۔ آپ کے شاگرد بیان کرتے ہیں:

"دن کے ہر گھنٹے کے لئے وہ ایک مخصوص کام مدنظر رکھتے تھے اور اس کے خلاف عمل نہیں کرتے تھے۔ مثلاً:

۱۔ ظہر سے غروب آفتاب تک لکھتے تھے، ظہر و عصر کی نماز اول وقت

۱؎ نہج البلاغہ کلمات قصار ۴۷۔ صبحی صالح

نماز پڑھ کر قلم اٹھاتے تھے اور غروب آفتاب سے کچھ پہلے تک قلم چلتا رہتا تھا۔

۲۔ نماز مغربین اور کھانے کے بعد رات گئے تک مطالعہ اور تحقیق میں مشغول رہتے تھے، جب نیند غالب ہو جاتی تو سو جاتے تھے۔

۳۔ سوتے بہت کم تھے لیکن ہمیشہ باوضو سوتے تھے۔

۴۔ صبح ہونے سے دو گھنٹے قبل ہی بیدار ہو جاتے تھے اور ایک گھنٹہ قبل حرم میں باب قبلہ کے پیچھے خالق بے نیاز سے راز و نیاز میں مشغول ہو جاتے تھے یہاں تک خادم حرم آکر دروازہ کھولتا تھا اور سب سے پہلے نوری حرم میں داخل ہوتے تھے اور سب سے پہلے اپنے مولا کی خاک بوسی کے لئے دوڑتے۔

۵۔ نماز شب اور فریضہ صبح گاہی کے بعد کچھ مخصوص اور بڑے لوگوں کے ساتھ نماز جماعت قائم کرتے تھے۔ طلوع آفتاب سے کچھ پہلے گھر لوٹ آتے اور فوراً اپنے بے نظیر کتب خانہ کی کتابوں کی دیکھ بھال میں لگ جاتے تھے۔

۶۔ اور نماز ظہر تک کتب خانہ ہی میں اپنے معاونین ــــ نجف اشرف میں شیخ علی قمی، معروف محدث شیخ عباس قمی اور سامرا میں، ملا تقی قمی ــــ کے ساتھ تحقیق، تصحیح اور نسخہ برداری میں مشغول رہتے اور کتب خانہ سے باہر کسی اہم ضروری کام ہی کے لئے جاتے ــــ تھے ورنہ نہیں۔

۷- نماز ظہر و عصر کے بعد کھانا تناول کرتے تھے، آپ کی غذا کم و کیف کے اعتبار سے کم تھی۔ کھانا کھانے کے بعد دوبارہ اپنے منظم کاموں کا آغاز کرتے تھے۔

آئینہ جمعہ

جمعہ کے روز مخصوص پروگرام ہوتا تھا، اس میں فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ پروگرام کی ترتیب کچھ اس طرح ہوتی تھی:

۱- صبح کے وقت کئی گھنٹے تک تاریخ و مقاتل خصوصاً حماسۂ عاشورا کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔

۲- آفتاب کے بلند ہونے کے ایک گھنٹہ بعد ذکر و فکر کی اس مجلس میں تشریف لاتے تھے جو ہر جمعہ کو ان کے دولت کدہ پر منعقد ہوتی تھی۔

۳- سب سے بعد میں منبر پر تشریف لے جاتے اور تقریر فرماتے تھے اور نہایت ہی احتیاط کے ساتھ احادیث و اخبار بیان فرماتے تھے۔ جب مصائب پر پہنچتے تھے تو آنکھوں سے بہنے والے آنسو سفید داڑھی کو تر کر دیتے تھے۔

داستان حسینؑ در تاریخ ؛ قصۂ نالہ نیست فریاد است
گریہ بر او نزیبد اما باز ؛ اشکہا یم نشان بیداد است

۴- جمعہ کے دن ان پروگراموں کے بعد روز جمعہ کے مستحب اعمال جیسے صفائی، اصلاح اور امور کی ترتیب بجا لاتے تھے۔ اور جمعہ کے دن کا

باقی حصہ حرم مطہر میں زیارت اور راز و نیاز کرنے میں گزارتے تھے۔
یہ تھا نوری کی سراسر نور زندگی کا پروگرام، امید ہے کہ ان لوگوں کیلئے اسوہ و نمونہ قرار پائے گا جو کہ اپنے وقت کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہیں اور اپنی مقصد زندگی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔

سجّادہ پر

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

واضح ہے کہ خود بیں خدا بیں نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے خود پرستی کو بت پرستی کی بدترین صورت کہا گیا ہے۔ جب تک خود پرستی ہے اس وقت تک صحیح معنی میں خدا پرستی نہیں ہو سکتی۔ معصومین طاہرین علیہم السلام کے کلام کمال آفریں میں یہ بات ملتی ہے، ارشاد ہے:[۲]

"دشمنوں میں انسان کا سب سے بڑا دشمن (خود اس کا) نفس ہے"

اسی لئے نفس کی مخالفت کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ جائے عبادت کو محراب (جنگ کا محاذ) کہا گیا ہے، یہ خواہ مخواہ نہیں کہا گیا ہے بلکہ اس میں بال سے زیادہ ہزاروں باریکیاں پوشیدہ ہیں۔

---

[۱] نقباء البشر ج ۲ ص ۵۴۹
[۲] رک میزان الحکمہ ج ۶ ص ۹۵

یہاں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ محدث نوری، ان تمام عبادتوں اور مناجات کے ساتھ اپنی زندگی کی اتنی اہمیت کے قائل ہیں کہ محدث قمی اور آقا بزرگ تہرانی نے یہاں تک لکھا ہے کہ علامہ نوریؒ نے کبھی نماز شب ترک نہیں کی۔

صبح سے کئی گھنٹے قبل ہی بستر استراحت چھوڑ دیتے تھے تاکہ اغیار سے خالی خلوت میں، دوست سے ملاقات کریں اور حضرت حق سے دردِ دل بیان کریں۔

یکایک رات کے سنّاٹے میں نوریؒ، راز و نیاز کے دو پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں تاکہ فیاض حقیقی کے فیض سے مستفیض ہوں اور دنیا میں آفتاب کی مانند تابندہ ہوکر نور افشانی کریں اور عرش سے لیں اور زمین پر نچھاور کردیں۔

یہ کیفیت کم نظیر ان کی نظروں میں سماگئی تھی۔

در دلِ شب بادو فانوس نفیس دیدہ ہا
می توان سر زد بہ آن سوہائی کو تمنا نیم

عشق اہل بیتؑ

عشق اہل بیتؑ وہ چیز ہے جو کہ پاک فطرت انسان ہی میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ کمال طلب انسان اور جرأت کا متلاشی ایسے نمونہ شخص کو تلاش کرتا ہے کہ جو کمال و جمال میں کامل و مکمل ہو اور حضرت باریٔ تعالیٰ کے کمال مطلق کے اوصاف کا مظہر ہو۔

اور چودہ معصومینؑ ایسے ہی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک انسان کامل تھا اور ہر ایک درج ذیل شعر کا مکمل مصداق تھا:

حسن یوسف، ید بیضا، دم عیسیٰ داری
آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

اس عظیم کام کی خاطر علامہ نوری تاحیات آل محمدؐ کے اس در سے سر نہیں اٹھاتے جس کے ملائکہ پاسبان ہیں، ان کے سفر بھی ان ہی ذوات کے مراقد مطہر کا طواف تھے۔ کربلا سے نجف، نجف سے کربلا، کربلا سے سامرا اور کربلا سے کاظمین، کربلا سے مشہد اور مشہد سے کربلا۔

ان سفروں کے سفر کے وہ پائیدار آثار ہیں جنھیں نوریؒ نے اپنی یادگار چھوڑا ہے، ایسے آثار جن سے نور، اخلاص اور صفا مترشح ہے۔

نیز محدث نے، حدیث شجاعت وحماسہ کو پورے خلوص اور سعی بہیم کے ساتھ لکھا ہے تاکہ وہ ہمیشہ کربلا و عاشورا کا سفر کرتے رہیں۔

محدّث حماسہ ہا

ہرچہ داریم از حسینؑ و کربلا است
کربلا شیرازۂ آئین ما است

کربلا تشیع کی سرخ تاریخ کا نقطۂ اتصال ہے اور عشق وایمان کا نقطۂ عروج ہے۔ تشیع کا حیات آفرین مکتب کربلا کے پرتو میں اور کربلاؑ کے سایہ میں محفوظ رہا اور بڑھا ہے۔ جس زمانے میں بھی یاد حسینؑ نے شہید کے

عنوان سے انسانوں کی مدد کی ہے اسی زمانہ میں انسان کی عزت میں اضافہ ہوا ہے اور وہ بیدار ہوگئے ہیں ۔

جس زمانہ میں امام حسینؑ اور ان کے حماسہ و جرأتوں کو یاد کیا جاتا ہے تو اس وقت مادرِ دھر اپنی آغوش میں ایسے آزاد مردوں کی پرورش کرتی ہے جوکہ یہ آواز بلند کرتے ہیں : استکبار، جا ! نظروں کے سامنے سے چلا جا ! حکومت ظلم وستم مردہ باد!، اور شعور افزار اور شہادت آفریں نعرے ہمارے پاس امام حسینؑ کی یادگار ہیں ۔ ظلم وستم مردہ باد !

ہر ظالم وستم گر کو دفنا دینا چاہئے ورنہ قتل کرکے کم کردینا چاہئے۔

نوریؒ ان ہی انوار سے نوری بنے تھے اور کربلا و عاشورا کو زندہ رکھنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرتے تھے کیونکہ وہ انسانیت کی حیات کو امام حسینؑ کا رہین منّت سمجھتے تھے اور اس کی بقا و دوام کو حماسۂ حسینیؑ کی حیات پر موقوف خیال کرتے تھے ۔ اسی وجہ سے علامہ نوری نے کتاب "لولو مرجان" لکھی تھی، اس کے لکھنے ہی پر اکتفا نہیں کی تھی بلکہ میدان عمل میں بھی اتر پڑے تھے تاکہ وہ حماسہ حسینی کے محدث بن جائیں ۔ وہ حماسوں کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کرنا چاہتے تھے ۔

پہلے شیعہ دانشوروں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے نجف اشرف سے پیدل کربلا جاتے تھے ۔ شیخ اعظم انصاریؒ کے زمانہ تک یہ طریقہ رائج تھا، شیخ انصاری کے انتقال کے بعد یہ تابناک طریقہ متروک ہوگیا، صرف معمولی اور نادار لوگ یہ کام کرنے لگے ۔ رفتہ رفتہ

اس طریقۂ کار کو فقر و حقارت کی علامت سمجھا جانے لگا اور اگر کوئی یہ کام انجام بھی دینا چاہتا تھا تو لوگوں کے ڈر سے انجام نہیں دے سکتا تھا، ڈرتا تھا کہ کہیں لوگ اسے ذلیل و خوار اور نادار نہ سمجھنے لگیں۔ لیکن وہ یہ نہیں سوچتا تھا کہ :

بر تو اضع ہای مردم تکیہ کردن ابلہی است
پای بوس سیل از پای افکند دیوار را

نوریؒ کی عوام زدگی سے جنگ مشہور تھی انہوں نے اس محراب مقدس میں "لولو مرجان" لکھنے اور ربیع ابن خثیم کی قداست کی نفی کرنے میں، رزمندانہ ایک عمر گزاری تھی۔ اس مرتبہ بھی اس بحر معانی کے غواص نے پانی کے رخ کے خلاف شناوری کا آغاز کیا تھا۔ اس خود ساختہ باند کو توڑنے کا عزم بالجزم کر لیا تھا اور اسے اچھی طرح توڑ بھی دیا اور ایسا کام کیا کہ انہوں نے دوست و اصحاب کے ساتھ نجف اشرف سے کربلا کا تین دن تک پیدل سفر کیا۔

اس کام پر اتنی مداومت کی کہ دوبارہ کاروان کربلا بلکہ بہت سے قافلہ چل پڑے اور اس دلچسپ عمل سے جو کہ ابتدا میں دھلا دینے والا تھا ہر ایک محدث حماسۂ کربلا بن گیا۔ یہاں تک وہ خود ساختہ قباحت ذہنوں سے جدا ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دوسرے اور تیسرے سال میں لوگوں اور علماء کی رغبت اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ بہت سے لوگوں نے استراحت کے لئے راستوں میں خیمے لگا دیئے۔ حتیٰ کہ راستوں میں نصب سائبانوں کی تعداد تیس سے زیادہ ہو گئی جبکہ ہر سائبان کے نیچے بیس سے تیس تک

زائر کربلا تھے۔[۱]

خزانہ کی جمع آوری

"کتاب باغ و بوستان دانشمندان است"[۲]
"علماء کا باغ و بوستان کتاب ہے"

(حضرت علی علیہ السلام)

نوری کو اپنی کتاب، عظیم دائرۃ المعارف، "مستدرک الوسائل" لکھنے کے سلسلہ میں بہت سی کتابوں کی ضرورت تھی۔ ٹھیک اسی کام اور دوسری چیزوں کے تحت سفر میں رہتے تھے اور بہت سے شہروں کا سفر کرتے رہے بہت سے کتب خانوں کی کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہے۔ آخر کار آپ نے تین بڑے کتب خانے مرتب کر دیئے۔ ایک تہران میں دوسرا ہندوستان میں اور تیسرا نجف اشرف میں تھا۔[۳]

کہا جاتا ہے کہ نجف اشرف میں نوری کا جو کتب خانہ تھا، اس کی ایران و عراق میں نظیر نہ تھی۔[۴]

---

[۱] نقباء البشر ج ۲ ص ۵۴۷ و ص ۵۴۸ [۲] غرر الحکم ص ۲۴۵

[۳] تاریخ اداب اللغۃ العربیہ، جرجی زیدان ۲/۴۹۰ طبع بیروت ۱۹۸۳ء

[۴] فرہنگ معین حصہ اعلام، زیر عنوان نوری۔ اصول ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں مولفین نے خود ائمہ یا امام سے سن کر یا اس شخص سے احادیث نقل کی ہوں جس نے بالمشافہہ احادیث سنی تھیں (مترجم)

کتب خانوں اور خود نوری کی کتابوں سے دلچسپی کے بارے میں
لوگوں نے بہت سی داستانیں لکھی ہیں مثلاً لکھتے ہیں :

"حاج نوری مرحوم ایک روز ایک راستہ سے گزر رہے
تھے۔ ایک عورت کو دیکھا کہ چند کتابیں ہاتھ میں لئے ٹہل
رہی ہے اور آواز لگا رہی ہے : یہ کتابیں فروخت کی جاری
ہیں ۔ نوری کتابوں کو دیکھتے ہیں ۔ بہت تعجب سے ملاحظہ کرتے
ہیں کہ ان میں سے ایک دو توشیعوں کی چار سو اصول میں
سے تھیں[1] "

بالکل چلتے صحرا میں پیاسے کی مانند کئی گھنٹوں کی تشنگی
کے بعد ایک چشمہ نظر آیا کہ جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔
بھرپور اشتیاق کے ساتھ کتابیں خریدنے کا عزم کر لیا
بیچنے والی سے کہا : ان دو کتابوں کی کیا قیمت ہے؟ عورت
نے بہت زیادہ قیمت بتائی ۔

محدث نوری کے پاس جو پونجی جمع تھی سب ہی دیدی
لیکن پھر بھی قیمت پوری ادا ہو سکی تو اپنے دوش سے
ردا اتار کر فروخت کر دی اور حاصل شدہ پیسہ عورت کو

---

[1] اصول ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں مولفین نے خود ائمہ بالمعم سے سن کر یا اس شخص سے احادیث نقل کی ہوں جس سے بالمشافہہ احادیث سنی تھیں ۔ (مترجم)

دیدیا، لیکن عورت اس پر بھی راضی نہ ہوئی یہاں تک
قبا بدن سے اتاری اور اسے بھی فروخت کر دیا اور ان دو
کتابوں کو خریدنے میں کامیاب ہوئے۔ اب اگرچہ بدن
پر قبا اور دوش پر ردا نہیں تھی لیکن بے پناہ خوشی کے
ساتھ کتابوں کو بغل میں دبائے اس ماں کی طرح جس کو
مدتوں کے بعد گم شدہ بچہ ملا ہو، چلے۔ اور یہ سوچتے ہوئے
چلے کہ اپنے بے نظیر خزانہ میں دو گراں بہا گوہر کا اور اضافہ
کر دیا ہے[1]۔"

شیخ آقا بزرگ تہرانی کو اس بات پر افسوس ہے کہ، استاد نوری کی وفات کے بعد وہ بے نظیر خزانہ کیا ہوا۔ اس سلسلے میں ہم نے آیت اللہ شبیری زنجانی دام ظلہ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"آیت اللہ بروجردی کے زمانہ میں ایک شخص مہندس بہزادی نام کا تھا جو کہ محدث نوری کے پوتوں میں سے تھا اور اس کے پاس دادا کی بہت سی کتابیں تھیں، آیت اللہ بروجردیؒ نے ان میں سے بہت سی خرید لی تھیں اور مسجد اعظم کے کتب خانہ کو ہدیہ کر دی تھیں۔"

---

[1] اعیان الشیعہ، سید محسن امین عاملی ج ۶ ص۱۴۳، نیز موسسۃ العتبات المقدسۃ قسم النجف جز دوم ج، ص۱۸۱ و ص۱۹۲۔

سخنِ دل نواز

محدث نوریؒ نے خود سازی کے سلسلہ میں ایک عمر کھپائی تھی اور بہترین طریقہ سے خود کی تعمیر کی تھی۔ ان کی بات نپی، تلی، ان کا سخن سرودِ دل، ان کی نصیحت نہایت قیمتی اور وعظ پیام جاں ہے۔ نوریؒ وہ مسیحا تھے کہ جن کی نیت خالص اور اخلاص نایاب اور بڑے غیرت والے تھے۔ ان کا وارستہ وعظ، کہ ان کا نفس نفیس، انفاس قدسیہ سانس لیتا تھا اور دشت طلب کے پیاسوں کو سیراب کرتا تھا۔

وہ نوری تھے جن کو طلب کی آگ نے سوختہ و گداختہ کیا تھا اور روز بروز آتش اشتیاق میں نکھرتے جاتے تھے اور زبان حال سے فرماتے تھے:

صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ
ہرچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردیم[1]

وہ ایسے دل دادہ تھے کہ ان کا نرم دل محبوب کی یاد میں جلتا تھا اور وہ زبان حال سے کہتے تھے:

---

[1] ہم نے عین شعر کو نقل کر دیا ہے اگر نوری زندہ ہوتے اور ان سے اس سلسلے میں دریافت کیا جاتا تو وہ یہی جواب دیتے: "سب کچھ قرآن کی بدولت کیا ہے۔"

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق

(مولانا جلال الدین مولوی)

جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دریائے زندگی میں ان کے نفس کا اثر ایسا ہی ہے جیسے سرچ لائٹ کا، ہمیشہ جگمگاتا رہتا ہے اور مدتوں کے گزر جانے اور سالہا سال بیت جانے سے وہ صرف خاموش ہی نہیں ہوتا بلکہ روز بروز دل انگیز اور طلسماتی ہوتا جاتا ہے۔

اس باب کا خالص نمونہ ملاحظہ کرنے کے لئے ہم اولین شہید محراب آیت اللہ قاضی طباطبائی تبریزی کی باتوں پر کان دھرتے ہیں، انہوں نے علامہ خبیر شیخ محمد حسین کاشف الغطا کی کتاب "جنة الماوی" پر عظیم کتاب شناس شیخ آقا بزرگ تہرانی کے تحریر کردہ مقدمہ سے نقل کی ہیں:

میری بے پناہ یادداشتوں کے خوشوں میں سے وہ ایک گل برگ ہے جو کہ میرے گلزار دل میں ہمیشہ شگفتہ اور سدا بہاروں کی مانند سرسبز و شاداب رہتا ہے۔

"قنوطیت و مایوسی کے سالہا سال گزر گئے لیکن فراموشی کی جھاڑیوں میں اسے گم نہ کر سکے۔

میں اس بات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا کہ ایک روز میرے پیارے اور دیرینہ دوست علامہ کاشف الغطا نے ہمارے استاد بزرگوار علامہ نوری قدس اللہ نفسہ سے عرض کیا:

کبھی کبھی میرے دل پر جوانی کے اثرات طاری ہو جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے میں نماز شب نہیں پڑھ پاتا ہوں اور وصال حضرت محبوب سے محروم رہتا ہوں۔

استاد نے اپنے ذہین شاگرد کی زبان سے یہ بات سنی تو بہت افسوس ہوا۔ گویا اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں کاشف الغطا ایسے شاگرد کی تربیت میں انہوں نے جو طاقت فرسا زحمتیں برداشت کی تھیں وہ رائیگاں نہ ہو جائیں۔ اس لئے اپنے شاگرد کی طرف رخ کر کے باپ کی طرح فرمایا: کیوں؟ کیوں؟ اٹھو؟ اٹھو؟

علامہ نوری کی وفات کے سالہا سال بعد، میں اپنے دیرینہ دوست علامہ کاشف الغطا کے پاس بیٹھا تھا، گفتگو کا سلسلہ جاری تھا اور اپنی گزری ہوئی تلخ وشیریں یادداشت کے اوراق الٹ رہے تھے انہوں نے مجھ سے فرمایا:

ہر شب صبح نمودار ہونے سے ایک گھنٹہ قبل میرے کانوں میں استاد محدث نوریؒ کی مشفقانہ آواز گونجنے لگتی ہے اور مجھے سحر ہونے سے پہلے ہی بیدار کر دیتی ہے اور میں استاد کی آواز سے نماز شب کے لئے اٹھتا ہوں۔ یہ صدا مجھے دعوت نماز دیتی ہے۔

محمد حسین! بیٹے! کیوں؟ کیوں؟ ابھی تک کیوں بیدار نہیں ہوئے؟ آنکھیں کھولو۔ اٹھو! اٹھو![1]

برخیز کہ عاشقان بہ شب راز کنند
دور و بر بام دوست پرواز کنند
ہر در کہ بود باز بہ شب بربندند
الاّ در دوست راکہ شب باز کنند

محرابِ تحقیق میں

اگر ہم محدث نوری کی کتابوں، خصوصاً "مستدرک الوسائل" اور "کشف الاستار" کا مطالعہ کریں تو ہم انھیں ایک محقق، محدث اور زحمت کش مورخ کا نام دیں گے۔ جیسا کہ بہت سے بزرگوں نے یہی کیا ہے۔ محدث نوری نے اپنی تحقیقات سے بہت سے بہترین یادگار آثار چھوڑے ہیں۔

انہوں نے بہت سے معمے حل کئے ہیں اور بہت سے گتھیاں سلجھائی ہیں۔ جیسا کہ بڑے معاصر محققین نے ان کے بہت سے تحقیقی نظریات کو پسند کیا ہے اور ان کی بعض رایوں پر زور دیا ہے چنانچہ ہم نے اس کتاب میں ان میں تین نمونے "ابتکار فکر" کے عنوان سے نقل کئے ہیں۔

ہم ایک بار پھر محقق نوری کو تحقیق و تتبع کے لق و دق دشت میں

---

[1] جنت الماوی نیز اوائے بیداد ترجمہ علامہ کاشف الغطاء ص۱۱۹

دکھاتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ انہوں نے محراب تحقیق میں قیام کلام کو کس طرح قنوت سے باندھا ہے۔

وہ سرسبز و سرفراز بیدھے اور اس مضبوط درخت کی مانند تھے کہ جن کے ابتکار فکر کے گل برگ افکار کی بہاروں میں ہمیشہ شاداب و شگفتہ رہیں گے۔

وہ جس وقت تاریخ کے عظیم معرکہ یعنی عاشورائے حسینی میں تحریف دیکھتے ہیں تو جرأت کے ساتھ آواز بلند کرتے ہیں:

"یا عصابۃ حملۃ الدین و یا معاشر سدنۃ شریعۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! هلموا الی ماتم ابی عبد اللہ المظلوم الشهید، فقد استشهد قدیما بالسیف والسنان و استشهد حدیثاً بالقلم والبیان۔[1]"

"اے دین دارو! اے شریعت محمدی کے خدمت گزارو! مظلوم و شہید امام حسین کی مجلس عزاداری ماتم کے لئے دوڑو جس کو تلوار و نیزہ سے شہید کیا گیا ہے اور آج قلم و زبان .... سے شہید کئے جارہے ہیں۔"

---

[1] مستدرک الوسائل ج ۳ ص۲۵۳ نیز لولو مرجان

اور جس زمانہ میں یہ دیکھا کہ ایک فاضل کی تحقیق مکمل نہیں ہے اور اس نے نپی تلی بات نہیں لکھی ہے۔ بزرگوں پر تہمت لگائی ہے اور ایک عظیم دانشور کو نیکو کار کے سلسلہ سے خارج کرکے انھیں اغیار میں شمار کیا ہے تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے۔

اس لئے انہوں نے تحقیق و تتبع کے لئے کمر باندھی تاکہ حقیقت کو واضح و روشن کرسکیں۔ ایسے اٹھے جیسے ید بیضا نور افشانی کرتا ہے۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(حافظ)

مختصر یہ کہ صاحب "روضات الجنات" مرحوم نے اپنی اسی کتاب میں لکھا تھا:

"حکیم خبیر، فیلسوف نہیر، قطب الدین محمد رازی، صاحب شرح مطالع و محاکمات و .... شیعہ نہیں تھے بلکہ علماء اہل تسنن میں سے تھے۔"

اس سلسلہ میں انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے کہ عنان قلم ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی، محقق نوری جو کہ علم رجال میں محقق یگانہ تھے وہ اس شیعہ دانشور کی شان میں ایسی بے سروپا بات برداشت نہ کرسکے اور موشگاف قلم اٹھایا اور حق مطلب ادا کیا۔

محقق نوری اس سلسلہ میں کامل تحقیق کا آغاز کرتے ہیں اور اپنی

نپی تلی باتوں، مکمل تحقیقات سے حقیقت کو روشن اور واقعیت کو مدلل کرتے ہیں۔[۱]

آخر بحث میں جو کہ فل اسکیپ گیارہ صفحات سے زیادہ ہیں، طریقہ کے عنوان سے ایک دلچسپ نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"روضات الجنات" کے مؤلف محترم! آپ اسی کتاب میں ایک جگہ (باب سین) قطب الدین کو شیعہ لکھتے ہیں اور اسی کتاب میں دوسری جگہ (باب قاف) انھیں سنی قرار دیتے ہیں۔ جناب شیخ کے نقش قدم یوں بھی اور یوں بھی۔[۲]"

---

[۱] مستدرک الوسائل سہ جلدی ج ۳ ص۴۴۷ تا ص۴۵۹

[۲] مستدرک الوسائل ص۴۵۸

فصلِ ششم

بزرگوں کی زبانی

چند برگ سبز

قدرِ زر زرگر بداند قدرِ گوہر گوہری
قدرِ گل بلبل بداند قدرِ پیغمبرؐ علیؑ

واضح رہے کہ بزرگوں کو بزرگ ہی اچھی طرح پہچانتے ہیں اور دانشوروں کو دانشور ہی درک کرتے ہیں۔

نیک صاحبانِ قلم جانتے ہیں کہ لکھنا آسان کام نہیں ہے، اس کے لئے ہمت مردانہ چاہیئے۔ ایک استاد کا قول ہے کہ اگر انسان کو ہزار کلمے یاد نہ ہوں تو ایک کلمہ بھی ادا نہیں کر سکتا اور جب تک ہزار کلمے زبان سے ادا نہیں کر سکتا اس وقت ایک کلمہ نہیں لکھ سکتا اور جب تک ہزار کلمے نہیں لکھ سکتا اس وقت

ایک کلمہ کی اشاعت نہیں کرسکتا ہے۔

اس مقدمہ کے بعد اگر ہم علامۂ کاشف الغطا، شیخ الشریعت اصفہانی اور شیخ عباس قمی ... ایسے جلیل القدر علما کو محدث نوری کی تعریف و تجلیل کرتے ہوئے دیکھیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے اور ان کی اس تجلیل کو مبالغہ پر محمول نہیں کرنا چاہئے جو ہم سمجھتے ہیں حقیقت وہ نہیں ہے بلکہ بہتر ہے ہم خود سے یہ کہیں :

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نئی جان من خطا اینجاست

(حافظ)

اب ہم چند نیک اندیش دانشوروں کے نظریات پیش کرتے ہیں:

۱۔ علامۂ مجاہد، مفکّر و اصلاح گر آیت اللہ آل کاشف الغطاؒ :

آپ آیت اللہ نوریؒ کے نزدیک ترین شاگردوں میں سے تھے اور ایک عمر آپ کے ساتھ بسر کی تھی اور ان کے جہادِ اکبر سے، جو کہ انہوں نے اپنے نفس سے پوری ہمت کے ساتھ جاری رکھا، اچھی طرح باخبر تھے۔

آل کاشف الغطا خود ایک دیدہ ور اور دریا دل اور دور اندیش نگہبان تھے۔ انہوں نے محدث نوری کو ایسا انسان پایا تھا جس نے خود کی تعمیر کی تھی۔ انہوں نے خود کو اچھی طرح پہچان لیا تھا اور اپنے کو خلق خدا کی خدمت کے لئے وقف کردیا تھا۔

اگر کاشف الغطا کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا اور وہ وہی چیز دیکھتا جو انہوں نے دیکھی تھی اور اس طرح پہچان جاتا جس طرح انہوں نے پہچانا تھا تو وہ بھی وہی کام کرتا جو انہوں نے کیا ہے اور وہی بات کہتا جو انہوں نے کہی ہے۔ آل کاشف الغطا کہتے ہیں:

"علامۃ الفقہا والمحدثین، ائمہ معصومینؑ کی احادیث و اخبار کو جمع کرنے والے، گزشتہ و موجودہ علما کے علم کے حامل، بے شک حجّت خدا ہیں۔ زمانے کی عورتیں ان کی مانند بافضل کو جنم دینے سے عاجز ہیں۔

اس مرد خدا نے خود کی تعمیر کی تھی، عشق محبوب میں دل گداختہ شب بیداری میں مشغول رہتے تھے وہ ہوشیار عالم اور وارفتہ عابد تھے۔

ان کی خودسازی آسمان کے فرشتوں کو بھی حیرت میں ڈال دیتی تھی اگر خدا اپنے بندوں میں جلوہ گر ہوتا تو فرماتا: نوری میرا نور ہے۔ ایسے مرد حق آگاہ ثقۃ الاسلام حاج میرزا حسین نوری ہمارے سرور و آقا ہیں۔[1]"

بہ حسن خلق و وفا کس بہ یار ما نرسد
ترا در این سخن انکار کار ما نرسد

(حافظ)

---

[1] کشف الاستار ص ۲۴۵ و ص ۲۴۶ نیز نفس الرحمٰن جدید ایڈیشن ص ۸

۲۔ آیت اللہ شیخ الشریعت اصفہانی کہتے ہیں[۱]:

"ہم سب نوری کے خرمن کے خوشہ چین ہیں یعنی ہم انکی کتاب "مستدرک" سے بہرہ مند ہیں[۲]۔"

۳۔ محدّث متّقی شیخ عباس قمی

اپنے استاد کے فراق میں اس طرح نالہ کناں ہیں کہ بے تحاشا انسان کے ذہن میں یہ شعر گردش کرنے لگتا ہے:

بگذار تا بگریم چون ابر در بہاران
کز سنگ نالہ خیزد روز فراق یاران

محدّث قمی اپنے استاد کو اس طرح یاد کرتے ہیں:

"سزاوار ہے کہ میں یہ کہوں: استاد نے رخت سفر باندھا اور سفر کر گئے اور میں رہ گیا لیکن یہ رہ جانا کس کام ہے؟! وہ ملأ اعلیٰ سے جاملے اور میں رہ گیا، لیکن کس طرح؟! کیا دریا سے باہر اور خشکی میں مچھلی زندہ رہ سکتی ہے؟ کیا جلتی ہوئی دھوپ میں برف باقی رہ سکتی ہے؟ ہجران سے میرا دل پاش پاش اور آتشِ فراق سے کباب ہے

۱۔ مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۵۴

۲۔ عبارت یہ ہے: کلنا عیال علی النوری

فراق محبوب کی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا ہوں۔ اگر میرے
چشمِ قلم سے آنسو ٹپکتے ہیں اور تحقیق کی نمی پیدا ہوتی ہے
تو اس میں میرا کوئی کردار نہیں ہے بلکہ یہ استاد کے دریائے
علم کے قطرات ہیں، اگر میری باتوں سے تحقیق کی بو آتی
ہے تو یہ بھی ان ہی کی نسیمِ سحری کی بو ہے۔ میرے پاس
جو کچھ بھی ہے وہ میرے استاد کی دولت ہے۔
وہ استاد جو کہ نیّرِ تابان بحرِ زخّار تھا، وہ معلم
جس نے اپنی عمر کا لمحہ بھر بھی رائیگاں نہ جانے دیا۔"[1]

۴۔ آیت اللہ العظمٰی میرزا بزرگ شیرازی نے محدث نوری کی کتاب
"بدرِ مشعشع" پر تقریظ میں تحریر کیا ہے:
"خداوند متعال جناب مؤلف علامۂ دہر نادرۂ زمانہ کو
جزائے خیر عطا کرے۔"[2]

۵۔ شیخ آقا بزرگ تہرانی اپنے استاد کے بارے میں رقمطراز ہیں:
"شیخ نوریؒ سلفِ صالح کے ان نمونوں میں سے ایک ہیں کہ

---

[1] فوائد الرضویہ ج ۱ ص۱۵۰ و ص۱۵۱
[2] بدرِ مشعشع ص۲

جن کا وجود اس زمانہ میں کم یاب کیمیا کی مانند ہے۔

وہ عجیب و غریب شخص اور خالق کی حیرت انگیز نشانی تھے ان کے اندر خداداد خصوصیات اور شایان ملکات سمائے ہوئے تھے۔ ان ہی کے لئے زیب دیتا ہے کہ انھیں شیعہ دانشوروں کا سرخیل شمار کیا جائے۔ یہ وہ دانشور تھے کہ جس نے عمر دراز کو دین و مذہب کی خدمت میں گزارا تھا۔

ان کی حیات ایک درخشاں باب ہے جو کہ نیک کاموں سے مالا مال ہے، انہوں نے اپنے پائیدار آثار کو جاوداں بنایا ہے، یہ وہ انسان ہیں جن کی یاد کو زمانہ بھول نہیں سکتا! تاریخ و داستان نویسوں کے قلم ان سے اعراض نہیں کر سکتے اور ان کے فضل کو بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

انہوں نے اپنے اوپر واجب کر لیا تھا کہ علم کی خدمت کریں گے۔ انہیں تحقیق و جستجو کے علاوہ کوئی رنج و ملال اور تلاش و تتبّع کے سوا کوئی کام نہ تھا۔۔۔

گویا خدا نے انھیں اہل بیت کے باقی ماندہ آثار کی حفاظت کے لئے پیدا کیا تھا۔ یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا عطا کرتا ہے اور اللہ وسعت وعلم والا ہے[1]

---

[1] نقباء البشر ج ۲ ص ۴۲۵

دوسری جگہ لکھتے ہیں :

"وہ استناد کے استاد بلکہ بجائے خود قیامت تک کیلئے مدرک و اسناد ہیں ۔ اور کیوں نہ ہو کہ وہ اس وادی — علم رجال و حدیث شناسی — کے سیاح اور ماہر اور اس فن کے متخصص تھے ۔

انہوں نے عرصہ دراز تک دریائے علم میں غواصی کی یہاں تک کہ اس کی تہ تک پہنچ گئے اور حق کو باطل سے جدا کر دیا اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا ۔

انھیں مجتہدین کا سردار شمار کیا جاتا ہے ان کے بعد آنے والوں نے ان سے سلیقہ سیکھا ہے اور اس صدی میں ایسے اجازے بہت کم ملیں گے جو ان کے نام سے شروع نہ ہوتے ہوں[1]

ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہے گی ۔ جب تک یہ رسم و عادت رہے گی ۔ تا قیام قیامت ان کا نام اجازوں پر چمکتا رہے گا"[2]

شیخ آقا بزرگ تہرانی مرحوم نے جن اشخاص کے لئے اجازے تحریر کئے ہیں ان میں اپنے استاد کا اس طرح نام لیا ہے :

---

[1] جو متن نصف صدی قبل لکھے گئے تھے ہم نے نصف کے بجائے ایک صدی شمار کیا ہے ۔

[2] نقباء البشر ج ۲ ص ۴۵۵

"آیت اللہ علامہ خاتم المجتہدین والمحدثین مولائی گرانقدر مان حاج میرزا حسین نوری[1]"

۶۔ آیت اللہ سید محسن امین عاملی صاحب اعیان الشیعہ، نوری رح

کے بارے میں رقمطراز ہیں:

" عالم فاضل، محدث متبحر، حدیث شناسی اور علم رجال میں ماہر اور تاریخ و سیر میں نابغہ تھے۔
ایسے محقق تھے کہ جنہوں نے نیک و بد کو بخوبی جدا کر دیا، ایسے عابد و زاہد تھے کہ جن کی نماز شب کبھی نہ چھوٹی
اخبار و آثار اور نفیس کتابوں پر دسترسی میں یگانہ تھے[2]۔"

۷۔ رہبر کبیر انقلاب امام خمینی رح اپنی کتاب، چہل حدیث کی پہلی

حدیث کی سند میں علامہ نوری کا اس طرح نام لیتے ہیں:

"مولیٰ، عالم زاہد، فقیہ عابد، میرزا حسین نوری رح[3]...."

---

[1] فصل نامہ تاریخ فرہنگ معاصر سال اول شمارہ اول ص۳۷

[2] اعیان الشیعہ ج ۶ ص۱۴۳

[3] چہل حدیث ج اول ص۳ مرکز نشر فرہنگی رجاء، ۱۳۶۸ھ ش۔ بظاہر امام خمینی رح نے چہل حدیث کو ایک واسطے سے علامہ محدث نوری رح سے نقل کیا ہے۔

۸۔ مفکرِ شہید استاد مرتضیٰ مطہریؒ

آپ اپنی کتاب حماسۂ حسینی میں جابجا نوری مرحوم کو احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"حاج میرزا حسین نوری اعلی اللہ مقامہ مرحوم غیر معمولی اور فوق العادہ انسان تھے۔ ایسے محدث جو اپنے فن میں متبحر اور بلند و بالا تھے، قوی حافظہ کے حامل تھے، باذوق زندہ دل اور باایمان تھے۔[1]"

استاد مطہریؒ نے ان کی کتاب "لولو مرجان" کو بہت زیادہ سراہا اور فرمایا ہے:

"باوجودیکہ کتاب مختصر ہے لیکن غیر معمولی اور بہت اچھی ہے...

شاید دنیا میں اس کتاب کی نظیر نہ ہو، اس عالم نے اپنے علمی تبحر کو عجیب انداز میں پیش کیا ہے۔

محدث نوریؒ نے اسی کتاب میں ان دروغ گوئیوں کو بیان کیا ہے کہ جن کو عام طور پر سانحۂ کربلا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ میں جو کچھ بیان کرتا ہوں اس میں اکثر یا سب وہی

---

[1] حماسہ حسینی ج ۱ ص ۱۳ و ۱۴

ہے جس پر حاج نوریؒ مرحوم گریہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے صریح طور پر فرمایا ہے: آج امام حسینؑ کی عزاداری منانا ضروری ہے لیکن ہمارے زمانہ میں عزاداری کا نیا انداز ہے جو ماضی میں نہیں تھا اور یہ وہی جھوٹی باتیں ہیں جو سانحہ کربلا کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور ان جھوٹی باتوں سے کوئی شخص نہیں روکتا ہے[1]۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"حاج نوریؒ مرحوم مرد بزرگ، غیر معمولی متبحّر اور متقی تھے یہاں تک وہ شیخ عباس قمی اور دیگر لوگوں نے اعتراف کیا ہے[2]۔

زمانۂ ختم نبوت میں ہم علماء کا فریضہ ہے کہ تحریف سے مبارزہ کریں۔ خوش قسمتی سے اس کام کے وسائل ہاتھ میں ہیں اور علماء کے درمیان کچھ ایسے افراد تھے اور ہیں کہ جنہوں نے کمزور نقاط کے دور کرنے کے سلسلہ میں مبارزہ کیا اور کرتے ہیں: "لؤلؤ مرجان" حادثۂ کربلا اور عاشورا کے موضوع پر لکھی گئی ہے، نوری رضوان اللہ علیہ کی تالیف ہے اور یہ نیک مقدس فریضہ ہے جس کو اس عظیم شخص نے انجام دیا ہے[3]۔"

---

[1] حماسہ حسینی ج ۱ ص ۱۴
[2] " " ص ۴۳
[3] " " ص ۹۱

۹۔ آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین مرعشی نجفی رح

آپ نے علامہ نوری کی تالیف "شجرۃ اجازات العلما الامامیہ" پر ایک مقدمہ لکھا ہے اور محدث نوریؒ کے بارے میں اس طرح نقل کیا ہے:

"ہمارے استاد الاساتذہ، روایت میں محدثین کے سردار مجلسی سوم، علامہ متبحر، حدیث شناسی اور علم رجال و درایہ میں دلیل روشن اور ماہر تھے اور ان دو کے علاوہ مولانا ثقۃ الاسلام حاج میرزا حسین نوری طبرسی نور اللہ مرقدہ الشریف ہیں[۱]۔"

اور علامہ نوری کی کتاب "مواقع النجوم" پر جو مقدمہ تحریر کیا ہے اس میں اس طرح نوریؒ کی تعریف کی ہے:

"علوم حدیث شناسی کے ماہر و متخصص علماء سلف کے آثار کو زندہ رکھنے والے، روایت و اجازہ کے محور اور نقل اخبار میں ہمارے استاد الاساتذہ ہیں۔"

اس کے بعد محدث نوری کی تالیف "مواقع النجوم" کے بارے میں اظہار خیال فرماتے ہیں اور ان کی بے پناہ تعریف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: محدث نوریؒ نے اس پر مشقت کام میں ابتکار کے جوہر دکھائے ہیں[۲]۔

---

[۱] شجرۃ اجازات العلماء الامامیہ ص۵
[۲] " " " " ص۱۹

۱۰۔ شیخ جعفر خلیلی :

"بہت سے علماء سے ان کی شہرت زیادہ، بیشتر دانشوروں سے ان کا حاصل کار زیادہ اور علم حدیث شناسی میں انکی دست رس سب سے زیادہ ہے۔ وہ علم رجال و تاریخ میں صاحب تخصص اور ماہر ہیں۔[۱]"

۱۱۔ **دانشور فرزانہ استاد محمّد رضا حکیمی** ایک جگہ علامہ نوری سے متعلق اس طرح فرماتے ہیں :

"علامہ محدث مشہور، رجالی میرزا حسین نوری مرحوم کم نظیر ماہر اور محکم ارادہ کے مالک تھے۔[۲]"

معاصرین کی زبانی

محدث نوریؒ کے معاصرین میں جو لوگ شرح زندگانی لکھنے والے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے علامہ نوری کا احترام کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مخصوص و شائستہ انداز میں تذکرہ کیا ہے مثلاً محمد حسن خان اعتماد السلطنۃ (۱۲۵۹ — ۱۳۱۳ ق) صاحب کتاب المآثر و الآثار، اس طرح لکھتے

---

[۱] موسوعۃ العتبات المقدسہ ج ۷، ص ۲۸۰

[۲] شیخ آقا بزرگ ص ۱۴ تا ۲۰

ہیں:

"حاج میرزا حسین طبرسی ایک عظیم دانشور ہیں۔ وہ عظمت و جلالت میں ممتاز ہیں۔ مذہب جعفری کی ترویج اور اس کے اصول کو محکم بنانے اور اہل بیت عصمت کی احادیث و آثار کی نشر و اشاعت میں معاصرین میں ان کے پایہ تک شائد کوئی پہنچے۔ وہ حدیث شناسی، علم تفسیر، روایت کی پرکھ، طبقات رجال اور علمائے اسلام کے تراجم میں ایران میں یکتا عالم ہیں۔

مسلمانوں میں ان کا تقویٰ، ورع، عبادت اور تقدس پایہ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے۔ اسلامی کتب اور معارف میں تحقیق و تبحر کے بلند ترین درجہ پر فائز ہیں۔ ان کے فضل، وثاقت، استعداد و لیاقت کی شہرت ہر قسم کے احترام و اکرام اور تعظیم و توقیر کے ساتھ دنیا والوں کے کانوں تک پہنچ چکی ہے۔

ان کی کتابیں خصوصاً "مستدرک الوسائل" ان کی عظیم المرتبت، اعلیٰ منزلت، علمی تبحر اور مہارت کے اثبات پر برہان قاطع ہے۔

یہ عالم باعمل، فقیہ فاضل، محدث کامل، مرجع وقت مجدد شیرازیؒ کی نظروں میں بہت ہی موثق اور معتمد

اور قابلِ اطمینان تھے[1]۔"

دوسری جگہ اس طرح یاد کرتے ہیں:

"فقیہ اجل، حافظ عصر، حاج میرزا حسین نوری طبرسی"[2]

بیان ادب

نوریؒ کے بعض ہم عصر شاعروں اور ادیبوں نے آپ کی مدح سرائی کی ہے، ان ہی شعراء میں سے ایک ادیب لبیب ابو المحاسن، امام الحرمین، میرزا محمد ہمدانی (م ۱۳۰۴ ق)[3] ہیں کہ جنہوں نے علامہ نوریؒ کی کتاب "نفس الرحمان" پر تقریظ کے دوران اس طرح آپ کی مدح سرائی کی ہے:

"فرزانہ، فاضل، بدر کامل وہ بحر بیکراں جس کی فضیلت کی تھاہ نہیں، وہ متبحر جس نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے وہ عظیم سردار کہ جن تک بلند پرواز پر نہیں مار سکتے ہیں[4]۔"

دست کوتاہ من و گردن او ہیہات است
بال خفاش کجا تارک خورشید کجا
(صائب تبریزی)

---

۱ المآثر و الآثار ص۱۵۵

۲ " " " ص۱۴۹

۳ دائرۃ المعارف تشیع ج ۲ ص۳۹۱ و ص۳۹۲

۴ نفس الرحمان ص۶۵۴

فضل وکمال کا کوہِ بلند، عظمت وجلال کی نعمت، دائرہ شرافت کا قطب، کتاب فضیلت کا دیباچہ، جمال جلالت کی چشم جمیل، بوستان فضائل کا آفتاب، فضلا کا نورُ الحاج میرزا حسین نوری ہیں، خدا نے نوری کے نورعلم سے جہالت و نادانی کی معنوی وصوری تاریکی کو برطرف کیا ہے۔

مہر و ماہ اور زہرہ کے قریب

آسمان تاریخ عجیب آسمان ہے۔ ایک زمانہ ایسا گھٹا ٹوپ ہوتا ہے کہ گویا کہیں روشنی کا نشان نہیں، سراسر تاریکی ہے، نہ آفتاب کے نور کا کہیں پتا ہے نہ دن کی کوئی خبر، نہ کہیں چاند ہے جو کہ ٹھنڈی روشنی نچھاور کرے اور نہ کوئی ستارہ ہے جو کہ جگمگائے۔

دوسرا زمانہ اتنا روشن و درخشاں ہے کہ گویا سراسر نور و سرور ہے، اس میں جس طرف سے آپ گذریں اسی طرف نسیم سحری کے نرم جھونکے ہیں۔ جدھر نظر اٹھائیں ادھر ہی دل لبھانے والا اور سہانا منظر ہے، دل کش و پرکیف فضا ہے۔

جدھر دیکھئے سرو کے بلند و بالا درخت نظر آئیں گے جو کہ سرود و نغمہ سرائی میں مشغول ہیں۔

خیرات کے قافلوں کو اس خیرگی سے دیکھیں گے کہ بے ساختہ کہنا پڑے گا:

خیرہ گشتم خیرگی ہم خیرہ گشت
آب حیات عقل را از سر گذشت

(مولوی)

کبھی تاریخ کا آسمان نیلگوں اور آبرومند ہے کہ جس کے تمام صفحات خلوص وصفا سے مرقوم ہیں۔

تعجب یہ ہے کبھی ایک ہی وقت میں آفتاب و ماہ تاب اور زہرہ سب جمع ہیں، ایک حسین وجمیل دنیا کا نظارہ، ایک ہی ستارہ ضوفشاں نہیں ہے بلکہ چاند و سورج و زہرہ کی ضیا پاشیاں ہیں اور صبح کے وقت مجبوراً آنکھیں چراتے ہیں۔

کیا ان حسین مناظر سے دل بھر سکتا ہے؟

متعدد بار آپ ملاحظہ کر چکے ہیں لیکن اس صفحہ کو پڑھیئے:

آسمانوں کے ایک آسمان اور صفحات میں سے ایک صفحہ ملاحظہ فرمائیں

"اعجاز حسین کنتوری[1] اپنے بھائی میر حامد حسین، صاحب عبقات الانوار کے ساتھ عتبات عالیہ کی زیارت کے لئے ہندوستان سے عراق آتے ہیں اور عراق کے بڑے علماء سے ملاقات کرتے ہیں۔

ایران کے علماء میں انھوں نے سب سے زیادہ

---

[1] دائرۃ المعارف تشیع ج ۲ ص ۲٦٥

علامہ نوری کو پسند کیا۔ ان سے ملاقات کے بعد دوستی ورفاقت کا رشتہ قائم ہوگیا اور خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوگیا، وہ ہندوستان سے علامہ نوری کو اور علامہ نوری عراق و ایران سے انھیں خط لکھتے تھے۔[۱]

ریحانۃ الادب میں

مشہور، رجالی محمد علی مدرس خیابانی مرحوم، محدث نوری رح کی سوانح حیات کا اس طرح آغاز کرتے ہیں:

"عالم ربانی، صاحب فیض قدسی، برگزیدہ اور گذشتہ و موجودہ محدثین و فقہاء کے سردار، آثار ائمہ کو پھیلانے والے، چودھویں صدی ہجری کے امامیہ اثنا عشری کے ثقہ اور بڑے علماء میں سے ہیں۔

آپ فقیہ، محدث، متتبع، مفسر، رجالی، عابد، زاہد، متورع اور متقی ہیں، آپ کی طہارت و تقویٰ، ورع و عبادت اور نفسانی کمالات مشہور ہیں۔

علم حدیث، تفسیر اور محدثین و رواۃ کے احوال اور علمائے اسلام کے تراجم و احوال کی معرفت میں

---

[۱] المآثر والآثار طبع قدیم ص۱۵۵

بے نظیر ہیں۔

مذہب حقہ کے برحق اصول و مبانی کو محکم بنانے اور ائمہ معصومین کے آثار کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں بہت کام کیا ہے۔ دینی خدمت میں ان کی طرح بہت کم لوگ کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ کہا جائے تو بجا ہے کہ وہ تیسرے مجلسی ہیں بلکہ ان کے زمانہ کے اساتذہ تو انھیں علامہ مجلسی پر بھی ترجیح دیتے تھے[1]

ملاقاتِ دوست

محقق نوری امام حسینؑ کے سچے پیروکاروں میں سے ایک تھے۔ اپنے آخری سفر سے واپسی پر کربلا میں بیمار ہوئے اور اپنے درد کو اس لئے چھپائے رہے کہ قافلے والوں کو زحمت نہ ہو، کہیں کربلائیوں کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔

اپنے محل اقامت، نجف اشرف پہنچتے ہیں۔ مرض روز بروز شدت پکڑتا جاتا ہے، اور درد دل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ آخرکار ہجران و فراق کے خنجر سے جو زخم کھایا تھا اور سالہا سال سے جس کے لئے دل گداختہ ہوا تھا اس چیز کا وقت آن پہنچا۔

---

[1] ریحانۃ الادب ۳/۳۸۹

شب چہار شنبہ، ۲۷ جمادی الثانی سنہ ۱۳۲۰ھ کو آسمان روایت کا آفتاب غروب ہوگیا اور نوریوں کو ہمیشہ کے لئے نالۂ فراق میں چھوڑ گیا۔

اپنی وصیت کی بنا پر، قرآن وعترت کے درمیان یعنی ایوان سوم باب قبلہ سے صحن باصفائے حضرت امیرالمومنین میں داخل ہوتے وقت داہنی سمت میں دفن ہوئے۔

جی ہاں علم واقتدار کا ایک دفینہ، خلوص وصفا کا ایک گنجینہ، دو گراں قدر گوہروں — قرآن وعترت — کے بیچ دفن ہوگیا، تاکہ بعد میں حدیث اخلاص، شیخ عباس قمی اور دوسرے بزرگوں کو اپنی ہم نشینی کیلئے قبو کرلیں۔

آپ عرصہ دراز تک تتبع وتحقیق اور ۶۱ سال کی باثمر زندگی گزارنے اور نصف صدی سے زائد، کوشش وجانفشانی کے بعد رفیق ومحبوب کی طرف پرواز کر گئے۔

وہ خود خاک سے پیدا ہوئے اور حق سے متصل ہوگئے۔ بدن کے تنگ قفس کو توڑ کر ابدیت سے جا ملے۔

ای خوش روحی کہ از قید بدن آزاد باشد
ہر چہ رنج وغم فزونتر بیشتر دل شاد باشد
کس بہ غیر از او ندیدہ بر مراد دل رسیدہ
دوست جویدؔ دوست گوید با غم او شاد باشد

نجف کا عظیم الشان حوزہ کہ، اس زمانہ میں مکتب تشیع اور آسمان علم کے

ستاروں کا مہبط ماتم کدہ بن گیا، اہل شہر خصوصاً علماء عزادار بن گئے۔

حوزہ علمیہ نجف کے صاحبان قلم اور شعراء نے سوگ نامے لکھے، ان میں ماہر استاد شاعر شیخ محمد آخوند شوشتری نے (م ۱۳۲۲ق) یہ قطعہ کہا:

مضی الحسین الذی تجسد من
نور علوم من عالم الذّر
قدس مثوی منه حوی علماً
مقدّس النفس طیّب الذکر[1]

وہ حسینی اٹھ گیا کہ جس کی روح، عالم الست[2] میں نور عالم سے سرشتہ ہوئی تھی۔ پرچم علم (محقق نوری) کو مقدس مکان میں جگہ دی گئی ہے۔ وہ پاک نفس اور ذکر جمیل کے مالک تھے۔

خدا نوری اور نوریوں پر رحمت و صلوات نازل کرے۔

عذر تقصیر

میانِ ماہ من تا ماہ گردون
تفاوت از زمین تا آسمان است

---

[1] نقباء البشر ج ۲ ص۵۴۸
[2] روز ازل

شب چہار شنبہ، ۲۷ جمادی الثانی سنہ ۱۴۲۰ھ کو آسمان روایت کا آفتاب غروب ہوگیا اور نوریوں کو ہمیشہ کے لئے نالۂ فراق میں چھوڑ گیا۔

اپنی وصیت کی بنا پر، قرآن و عترت کے درمیان یعنی ایوان سوم باب قبلہ سے صحن باصفائے حضرت امیرالمومنین میں داخل ہوتے وقت داہنی سمت میں دفن ہوئے۔

جی ہاں علم و اقتدار کا ایک دفینہ، خلوص وصفا کا ایک گنجینہ، دو گراں قدر گوہروں ـــ قرآن و عترت ـــ کے بیچ دفن ہوگیا، تاکہ بعد میں حدیث اخلاص، شیخ عباس قمی اور دوسرے بزرگوں کو اپنی ہم نشینی کیلئے قبول کرلیں۔

آپ عرصہ دراز تک تتبع و تحقیق اور ۹۶ سال کی باثمر زندگی گذارنے اور نصف صدی سے زائد، کوشش و جانفشانی کے بعد رفیق و محبوب کی طرف پرواز کر گئے۔

وہ خود خاک سے پیدا ہوئے اور حق سے متصل ہوگئے۔ بدن کے تنگ قفس کو توڑ کر ابدیت سے جا ملے۔

ای خوش روحی کہ از قید بدن آزاد باشد
ہرچہ رنج و غم فزونتر بیش تر دل شاد باشد
کس بہ غیر از او ندیدہ بر مراد دل رسیدہ
دوست جوید، دوست گوید با غم او شاد باشد

نجف کا عظیم الشان حوزہ کہ، اس زمانہ میں مکتب تشیع اور آسمان علم کے

ستاروں کا مہبط ماتم کدہ بن گیا، اہل شہر خصوصاً علماء عزادار بن گئے۔
حوزہ علمیہ نجف کے صاحبان قلم اور شعراء نے سوگ نامے لکھے، ان میں ماہر استاد شاعر شیخ محمد آخوند توشتری نے (م ۲۲ ۱۳ق) یہ قطعہ کہا:[1]

مضی الحسین الذی تجسد من
نور علوم من عالم الذّر
قدس مثوی منه حوی علماً
مقدّس النفس طیّب الذکر

وہ حسینی اٹھ گیا کہ جس کی روح، عالم الست[2] میں نور عالم سے سرشتہ ہوئی تھی۔ پرچم علم (محقق نوری) کو مقدس مکان میں جگہ دی گئی ہے۔ وہ پاک نفس اور ذکر جمیل کے مالک تھے۔

خدا نوری اور نوریوں پر رحمت و صلوات نازل کرے۔

عذر تقصیر

میانِ ماہ من تا ماہ گردون
تفاوت از زمین تا آسمان است

---

[1] نقباء البشر ج ۲ ص۵۴۸
[2] روز ازل

بے شک اس مختصر کتاب میں جس عظیم شخصیت اور بڑے دانشور کا تعارف کرایا گیا ہے ، اور علامہ بزرگ اور محقق و محدث ، میرزا حسین نوری کی حقیقی شخصیت میں بہت زیادہ فاصلہ ہے . ہم اس عالیقدر عالم کا اس طرح حق ادا نہ کر سکے جیسا کہ حق تھا کیونکہ :

۱ - علامہ نوری کی سراسر نور زندگانی کے سلسلہ میں یہ اولین کتاب تحریر کی گئی ہے - ابھی تک مستقل کتاب کو تو چھوڑ یئے کوئی مقالہ بھی اس عالم جلیل کے بارے میں نہیں دیکھا گیا ہے -

۲ - باوجودیکہ معارف اسلامی میں ایسی کوئی کتاب نہیں ملتی ہے کہ جس میں نوریؒ اور ان کی کتابوں کا تذکرہ نہ ہو لیکن تراجم و تذکرہ کی کتابوں میں ان کی شایان شان بحث نہیں ملتی ، ہاں دو تین کتابوں میں حق ادا کیا گیا ہے -

۳ - چونکہ اس سلسلۂ تحریر کی کتابوں میں اختصار مد نظر ہے اس لئے نوریؒ کی حیات و افکار اور آثار کے بارے میں بہت سی چیزیں قلم بند نہیں کی جا سکی ہیں - کتاب ختم ہو گئی لیکن داستان ختم نہ ہو سکی -

بے شک اس مختصر کتاب میں جس عظیم شخصیت اور بڑے دانشور کا تعارف کرایا گیا ہے، اور علامہ بزرگ اور محقق و محدث، میرزا حسین نوری کی حقیقی شخصیت میں بہت زیادہ فاصلہ ہے. ہم اس عالیقدر عالم کا اس طرح حق ادا نہ کر سکے جیسا کہ حق تھا کیونکہ :

۱۔ علامہ نوری کی سراسر نور زندگانی کے سلسلہ میں یہ اولین کتاب تحریر کی گئی ہے۔ ابھی تک مستقل کتاب کو تو چھوڑ دیئے کوئی مقالہ بھی اس عالم جلیل کے بارے میں نہیں دیکھا گیا ہے۔

۲۔ باوجودیکہ معارف اسلامی میں ایسی کوئی کتاب نہیں ملتی ہے کہ جس میں نوریؒ اور ان کی کتابوں کا تذکرہ نہ ہو لیکن تراجم و تذکرہ کی کتابوں میں ان کی شایان شان بحث نہیں ملتی، ہاں دو تین کتابوں میں حق ادا کیا گیا ہے۔

۳۔ چونکہ اس سلسلۂ تحریر کی کتابوں میں اختصار مد نظر ہے اس لئے نوریؒ کی حیات و افکار اور آثار کے بارے میں بہت سی چیزیں قلم بند نہیں کی جاسکی ہیں۔ کتاب ختم ہوگئی لیکن داستان ختم نہ ہوسکی۔